نگارِ خانۂ غزل

باقر زیدی

تاثرات

باقر زیدی صاحب کے تعلق سے یہ بات میں نے اِس سے پہلے بھی کہیں لکھی ہے کہ ''اُن کی شخصیت اور شاعری 'سخن آفریں ثقافت' اور 'ثقافت آفریں سخن' کا جیتا جاگتا سراپا ہے''۔ اُن کی سب سے بڑی خوبی تو یہ ہے کہ اُن کو عشق کے آداب بھی معلوم ہیں اور وہ ''حُرمتِ حرف'' اور ''حُرمتِ حسن'' دونوں کے امین ہیں۔

آیت اللہ عقیل الغروی

باقر زیدی نے اپنے غزل کے سفر میں غزل گویوں کی زمینوں پر مسافت کی ہے، ان کے باغوں کے گھنے پیڑوں کے سایوں سے استفادہ کیا ہے اور ان کے برگ وگل وثمر سے اپنی فکر اور فنی کمال کو رنگینی اور توانائی بخشی ہے اور یہ سارا عمل ان کی تخلیقی فطرت کا سرمایہ ہے جو ہر بڑا فطری شاعر کرتا ہے اور اسی عمل کو آمد کہتے ہیں۔

ڈاکٹر تقی عابدی

نگارخانۂ غزل

باقر زیدی

کلام الامام، امام الکلام

تَکَلَّمُوْ تُعْرَفُوْ

کلام کرو تا کہ پہچانے جاؤ

صاحبِ ''نہج البلاغہ'' حضرت علیؑ

قطعۂ تاریخ طباعت ''نگار خانۂ غزل''

تاریخِ طباعت کی مجھے فکر ہے کب
طے علم سے کرنی ہے مجھے راہِ ادب
باقرؔ نے دہنِ حرف میں رکھ دی ہے زباں
گویا ہو نگار خانۂ غزل اب
۲۰۱۵ء

نیّرؔ اسعدی

NIGAR KHANA-E-GHAZAL

A Book of Urdu Poetry

By

BAQUER ZAIDI

All rights reserved

First Edition 2015

Published by Moosa Zaidi

Phones:

1. Mesam Zaidi: 301-604-6083

2. Hani Zaidi: 301-617-9927
Address: 13909 Chadsworth Terrace Laurel
MD. 20707

Printers: Syed Ghulam Akbar

Please visit Author's Website at:

www:baquerzaidi.com

حرفِ انتساب

۱۔ حُسنِ غزل کی اُن فکر انگیز بوقلمونیوں کے نام جن کی رعنائیاں اور حشر سامانیاں غزل کے پیکر میں جلوہ فگن تھیں، ہیں اور ہوتی رہیں گی۔

۲۔ میرؔ و غالبؔ کے نام جو اردو غزل کی پہچان ہیں۔

۳۔ عہدِ حاضر کے اُن جدید شعراء کے نام جنہوں نے غزل کو تمام تر توانائیوں کے ساتھ فعال اور متحرک رکھا ہوا ہے۔

۴۔ ماضی حال اور مستقبل کے غزل لکھنے والوں، پڑھنے والوں، گانے والوں، ناقدوں، تبصرہ نگاروں اور کسی بھی طور فروغِ غزل میں اپنا حصہ ڈالنے والوں کے نام جن کے سبب غزل پوری آب و تاب کے ساتھ زندہ ہے۔

۵۔ غزل کی ساری اگلی پچھلی سماعتوں کے نام جن کی وابستگی اور پسندیدگی سے ساری دنیا میں غزل کے چراغ فروزاں ہیں۔

اور

۶۔ اپنی موجودہ اور آنے والی نسلوں کے نام جن کے چہروں کی تابانی میری غزلوں میں نمایاں ہے اِس دعا اور امید کے ساتھ کہ ان کے ذوقِ شعر کی فضائیں ہی قائم رہے۔

ختم ہوتی نہ نبوت، تو نوشتہ آتا
وحی اردو میں لیئے، کوئی فرشتہ آتا

باقر زیدی
مرثیہ بہ عنوانِ ''اردو'' کی ایک بیت

ترتیب کتاب

نمبر شمار	عنوان	قلمکار	صفحہ نمبر
۱	بات غزل کی	باقرؔ زیدی	9
۲	تاثرات	آیت اللہ عقیل الغروی	31
۳	باقرؔ نے بھی غزل کو غزل در غزل کہا	ڈاکٹر تقی عابدی	47
۴	کہنہ باتیں جدید لہجے میں	پروفیسر حسن سجاد	65
۵	عاشقِ غزل باقرؔ زیدی	شہابؔ کاظمی	77
۶	حرفِ ناگزیر	ساجدؔ رضوی	87
۷	نگار خانۂ غزل میں "دیوان" کی نئی صورت	قمرؔ اسعدی	91
۸	فہرست "نگار خانۂ غزل"		97
۹	نگارِ غزل مبنی بر قافیہ الف تا ے	بابِ اول	101
۱۰	فہرست "دارِ غزل"	بابِ دوم	193
۱۱	غزلیات "دارِ غزل"	"	195
۱۲	فہرست "دیارِ غزل"	بابِ سوم	231
۱۳	غزلیات دیارِ غزل	"	235
☆	قطعاتِ تاریخ طباعت	قمرؔ اسعدی	
☆	متفرق قطعات واشعار	باقرؔ زیدی	361
☆	طبع شدہ تصانیف وتالیفات	باقرؔ زیدی	364

مصلحت دیکھ کے بدلے نہ قرائن ہم نے
رات کو رات کہا، دن کو کہا دن ہم نے

باقر زیدی

بات غزل کی

باقر زیدی

اللہ کا شکر ہے کہ اپنی پانچ تالیفات اور چار تصنیفات کے بعد ''نگارخانۂ غزل'' آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ یہ میری غزلوں کا تیسرا مجموعہ ہے جو کُل 158 غزلوں پر مشتمل ہے، غزلوں کے مزاج کے اعتبار سے میں نے انہیں تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ نگارِ غزل ۲۔ دارِ غزل ۳۔ دیارِ غزل

نگارِ غزل میں میری 65 غزلیں ہیں جن کی ردیفیں لفظِ غزل پر ختم ہوتی ہیں، ان میں الف سے یے تک سارے قافیے ترتیب کے ساتھ برتنے کا التزام کیا گیا ہے۔ اِن غزلوں کا ہر شعر ''غزل'' پر ختم ہوتا ہے، آج تک کے میسّر اردو کے جتنے دیوان ہیں وہ سب ردیفوں کے آخری حرف پر مرتب کئے گئے ہیں۔ اس اعتبار سے اسے اپنی نوعیت کا پہلا دیوان کہا جا سکتا ہے۔

ہماری زبان کے کچھ حروف میں قافیوں کی تنگی کی وجہ سے حسبِ خواہش وافر اور بہتر اشعار کہنا آسان نہیں مثلاً، ث۔ چ۔ ڈ۔ ذ۔ ڑ۔ ژ۔ ص۔ ض۔ ط اور ظ ہمارے اساتذہ اور جید شعراء کے ہاں بھی ان حروف پر ختم

ہونے والے لفظ کی ردیف بنا کر شعر کہے گئے ہیں مثلاً ث پر ختم ہونے والے لفظ عبث کو ردیف قرار دے کر غزل کہہ ڈالی، یا پھر ایک یا دو شعر کہہ کر آگے بڑھ گئے۔ میں چونکہ غزل کی ردیف کے اس set-up کو بدلنا نہیں چاہتا تھا اس لیے مجھے یہ تکلیف زیادہ محسوس ہوئی، بہر حال جو کچھ میرے امکان میں تھا، وہ حاضرِ خدمت ہے۔

غالباً غزل کو غزل میں مضمون کی حیثیت سے متعارف کرانے کی اس انداز میں، یہ پہلی کوشش ہے، اس کا سبب غزل سے اپنی محبت اور لگاؤ کا اظہار بھی ہے اور غزل کے چاہنے والوں کی خوشنودگی اور اس صنف سے ان کی والہانہ وابستگی اور دلچسپی کا تشکر بھی، اس اندازِ اظہار کی کوئی ضرورت ہے یا نہیں اور یہ اُپج بدعتِ حسنہ ہے یا نہیں، اس کا فیصلہ تو آپ ہی کو کرنا ہے۔

دارِ غزل کی 23 غزلوں میں بیشتر اشعار غزل سے متعلق ہیں۔

دیارِ غزل میں متفرق مضامین پر مشتمل عام نہج کی غزلیں ہیں۔

میں صنفِ غزل کو اردو شعر و ادب کا سب سے زیادہ پسندیدہ، جاذب، جان دار موثر اور متحرک رُکن خیال کرتا ہوں۔ اسی لئے یہ ایک مقبول ترین صنفِ سخن ہے، میں اس دور کو غزل کا دور کہتا ہوں کہ اب غزل کی حکمرانی دنیا کے کونے کونے میں قائم ہے۔ ہندوستان، پاکستان، امریکہ،

کنیڈا، یورپ اور مشرقِ وسطیٰ کے ملکوں میں بھی اب اچھی خاصی آبادی اُردو بولنے اور سمجھنے والوں کی بحمداللہ موجود ہے اور غزل ہر ملک کے اُردو معاشرے میں اچھی طرح رَچ بس گئی ہے، ہر ملک میں بین الاقوامی مشاعرے منعقد ہوتے ہیں جہاں ہزاروں شیدائیانِ غزل شرکت کر کے بھرپور داد و تحسین سے شعراء کو نوازتے ہیں، غزل کا حلقۂ سماعت ساری دنیا میں پھیلا ہوا ہے، ہندو مسلم، سکھ، عیسائی، سندھی، بلوچی، پنجابی، پٹھان، امیر، غریب، کسان، مزدور، بادشاہ، فقیر، افسر، ماتحت، استاد شاگرد، غلام، آزاد، کالے، گورے، مرد عورت، ہر طبقۂ خیال کے لوگوں میں اور اُن لوگوں میں بھی جو خدا کو نہیں مانتے وہ بھی غزل کی انفرادیت کے صرف قائل ہی نہیں، معتقد بھی ہیں۔

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے
سب اسی زلف کے اسیر ہوئے

غزل ہماری خوشی کی تقریبوں کی جان ہے مشاعرے ہوں یا راگ رنگ کی محفلیں، یا محافلِ سماع، غزل ہر جگہ بڑے شوق سے سُنی جاتی ہے، یہ بھی عجیب بات ہے کہ وہ لوگ جن کی مادری زبان اُردو نہیں ہے وہ بھی غزل کے اس بُتِ طنّاز پر دل و جان سے فریفتہ ہیں۔

غزل عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں حُسن و جوانی کا ذکر کرنا یا عورتوں سے باتیں کرنا اور اُن کے حُسن و جمال کی تعریف کرنا غزل عربی زبان وادب میں کوئی صنفِ سخن نہیں ہے، عرب کے شاعر اپنے قصیدوں کی تشبیب میں غزل کے شعر لکھا کرتے تھے یہ روایت عربی سے فارسی اور پھر اُردو قصیدوں میں بھی دَر آئی۔

اہلِ فارس نے غزل کو قصیدے کی حدود سے نکال کر اسے ایک الگ صنفِ سخن بھی قرار دے دیا اور پھر فارسی میں ایسی غزلیں لکھی گئیں جنہوں نے فارسی ادب کے دامن کو طرح طرح کے پھولوں سے بھر دیا۔ یہ غزلیں ان کے بہترین ادبی شہ پارے ہیں۔ فارسی شعراء اب بھی غزلیں لکھ لکھ کر بہترین اشعار سے اپنے ادب کو مالا مال کر رہے ہیں۔

اُردو والوں نے غزل فارسی سے لی ہے اور ہمارے ہاں بھی یہ ایک مستقل صنفِ سخن ہے، ایک عرصہ تک اُردو غزل کی شاعری حُسن و عشق کے مضامین پر محدود تھی پھر اس میں اخلاق و تصوف کے مضامین شامل ہوئے مگر اب غزل اپنے لفظی معانی کے حدود سے باہر نکل آئی ہے، آج کی غزل وہ نہیں رہی جس کے لیے غالب کو کہنا پڑا تھا کہ ؎

بہ قدرِ شوق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے

وہ پرانی بات تھی اب غزل ہر مظروف کے لئے انتہائی اعلیٰ ظرفی کی حامل ہے۔اب غزل کسی بھی شاعر کی پروازِ تخیل کو لفظوں کا لباس پہنا سکتی ہے۔ آج کوئی خیال غزل کی دسترس سے باہر نہیں،اگر چہ بنیادی طور پر یہ محبت کی شاعری ہے اور حسن وعشق اس کا پسندیدہ مضمون ہے مگر وہ کیا ہے جو آپ غزل میں نہیں کہہ سکتے، ہر ہلکا، بھاری، چھوٹا ،بڑا خیال بہ آسانی غزل کے قالب میں ڈھالا جا سکتا ہے،غزل تو اب پورے زمان ومکان اور ہست وبود کا احاطہ کیے ہوئے ہے،غزل کے ڈھب،مزاج اور کیف وسرور کی طرف غالبؔ نے کیا خوب اشارہ کیا ہے ؎

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے، بادہ وساغر کہے بغیر

اور یہی غزل کا حُسن ہے۔

یہ بھی غزل کا اِک حُسن ہے کہ یہ بات کو اجمال سے بیان کرتی ہے، تفصیلات کی ضرورت نہیں ہوتی ،ایجاز واختصار اور رمز وکنایہ غزل کا جوہر ہے،اس کے بیان میں شیرینی ،لوچ سلاست اور جامعیت کا خیال رکھنا اور حشو وزوائد سے دور رکھنا ضروری ہے،غزل کا ہر شعر ایک الگ مضمون کا حامل ہوتا ہے،ہر شعر اپنی بات کہنے میں پورا اترتا ہے ہر قسم کے مضمون کو ایک

شعر میں ادا کرنے کی پوری صلاحیت غزل میں موجود ہے، کوئی مضمون خواہ وہ کتنا ہی مشکل اور پیچیدہ ہو بڑی آسان زبان میں ادا کر دینے میں غزل مہارت رکھتی ہے۔ کوئی مضمون اس کی دسترس، پہنچ اور پکڑ سے باہر نہیں، غزل کہیں لاچار نہیں اور یہی اس کا کمال ہے۔

قافیہ ردیف کا استعمال اشعار میں ایک Rhythm اور آہنگ پیدا کر دیتا ہے جو سماعتوں میں بڑا خوشگوار اثر چھوڑتا ہے، غزل میں غنائیت ہوتی ہے اور موسیقی کے ساتھ بھی گائی جاتی ہے اس کی گائیکی محفلوں کی رونق ہے۔ کچھ لوگ غزل کو قافیہ پیمائی کہہ کر گذر جاتے ہیں، ناصؔر کاظمی ان لوگوں سے کہتا ہے۔

کہتے ہیں غزل قافیہ پیمائی ہے ناصؔر
یہ قافیہ پیمائی ذرا کر کے تو دیکھو

قافیہ ردیف کی مدد سے غزل کے اشعار آسانی سے یاد ہو جاتے ہیں، عوام الناس کو باذوق بنانے میں غزل کا contribution بہت زیادہ ہے، شعر و ادب لکھنے اور سننے والوں کے لیے موزونیِ طبع بہت ضروری ہے، جن شاعروں کے ذہن موزوں ہوتے ہیں اُن کے مصرعے ناموزوں نہیں ہوتے چاہے اُنہیں تقطیع کرنی آتی ہو یا نہیں، ایسے ہی کسی شاعر نے کیا

خوب کہا ہے۔

من نہ دانم فاعلاتن فاعلات

شعرمی گویم بہ از قند و نبات

ہمارے معاشرے میں غزل کی جڑیں بہت گہری ہیں، کیونکہ غزل ہمارے مزاجوں سے ہم آہنگ ہے۔ جذبات کی شاعری ہے، دل کی آواز ہے جو دلوں پر اثر کرتی ہے عوامی امنگوں کی پاسداری کرتی ہے۔ یہ ہماری بنیادی اور مرکزی صنفِ سخن ہے جو سب سے زیادہ لکھی پڑھی اور سُنی جاتی ہے،غزل کا ہر شعر خیال کی اکائی ہوتا ہے اور اس کی یہی رنگارنگی اس کی بے پناہ مقبولیت کا سبب ہے،غزل ہماری اُن تمام روایات کی امین ہے جو صدیوں سے ہماری تہذیب کا حصہ ہیں۔غزل کے بہت سے اشعار لوگوں کو زبانی یاد ہیں جو عام بول چال میں سب سے زیادہ استعمال ہوتے ہیں۔ سینکڑوں اشعار اور مصرعے ضرب المثل بن گئے ہیں، ہماری تحریروں اور تقریروں میں بھی ان کا استعمال عام ہے جو زبان و بیان کے حُسن میں نہ صرف اضافہ کرتے ہیں بلکہ تحریروں کو پُر اثر اور دل آویز بھی بناتے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ بیشتر شعرا اپنی شاعری کی ابتدا غزل ہی سے کرتے ہیں اور ایسا شاعر شاید ایک بھی نہ ملے جس نے کبھی غزل نہ کہی ہو،غزل کی شاعری

تمام اصنافِ سخن کی مجموعی شاعری سے بھی زیادہ ہے،غزل تمام بحروں میں لکھی جاتی ہے مگر مترنم بحروں میں زیادہ پسند کی جاتی ہے۔خیال اور الفاظ کا جمالیاتی ادراک واستعمال زبان وبیان کو حسین بناتا ہے،غزل زود فہم اور سہل ہوتی ہے بہت آسان شعروں کو سہلِ ممتنع کہتے ہیں اور ان کا کہنا اتنا سہل بھی نہیں ہے۔ایسی غزلیات بہت پسند کی جاتی ہیں۔غزل کی لفظیات دوسری اصناف سے مختلف ہوتی ہیں اور غزل ریاض مانگتی ہے،تغزل غزل کا وہ اسلوب ہے جو دوسری تمام اصنافِ سخن میں برتا جاتا ہے اور اسے پسند کیا جاتا ہے،غزل میں شاعر اپنے آپ سے بھی ہم کلام ہوتا ہے اپنے ذاتی جذبات و کیفیات اور تجربات ومشاہدات کو''میں'' سے''ہم''میں تبدیل کردینے کا نام غزل ہے۔

غزل میں نظم کی طرح فکر کا دائرہ محدود نہیں ہے،غزل کا ایک شعر وہ کام کرسکتا ہے جو کوئی طویل نظم کرتی ہے،کسی نے کہا ہے کہ اقبالؔ کا جوابِ شکوہ غالبؔ کے اسی ایک شعر میں سمو دیا جا سکتا ہے۔

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

غزل کا شعر سننے والے کی سوچ کو زیادہ activate کرتا ہے، فی زمانہ

وقت کی کمیابی یا محدود سہولت لوگوں کو نظم کے مقابلے میں غزل کی طرف زیادہ راغب کرتی ہے، غزل ہر عہد میں زمانے کی ضرورتوں کے ساتھ بدلتی رہتی ہے اسی لئے غزل میں وہ جمود یا stagnance جگہ نہ پا سکا جو اسے آگے بڑھنے سے روک سکے۔ قصیدہ مر گیا غزل زندہ ہے اور اس میں وہ جان ہے جو اسے زندہ و پائندہ اور اس کے مستقبل کو روشن اور تابناک رکھنے کی ضمانت ہے، غزل کی آفاقیت اور خیالات کی ہمہ جہتی و آزادہ روی اس کی تنوع مزاج زندگی کی علامت ہے جبکہ نظم کی عمر کسی خاص تحریک، تقریب یا کسی ہنگامے سے وابستگی کی وجہ سے محدود و مختصر ہوتی ہے، علامہ اقبالؔ دنیا بھر میں نظم کے بڑے شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں مگر اربابِ ادب کا خیال ہے کہ اقبالؔ اپنی نظموں سے زیادہ اپنی غزلوں میں کامیاب ہیں۔ اسی طرح جوشؔ کی وہ نظمیں جن میں تغزل under current کی طرح ہے زیادہ کامیاب ہیں، یہ نظمیں تغزل کا شاہکار ہیں اور غزل کی طرح مترنم اور دل آویز بھی مگر دفترِ غزل کی کمی کے سبب ان کو غزل کا نہیں نظم ہی کا شاعر تسلیم کیا گیا ہے۔

شاعری کے بارے میں Colridge کہتا ہے "Best Words in Best Order" اگر چہ یہ بات ہر قسم کی شاعری کے لئے صحیح ہے مگر غزل پر زیادہ صادق آتی ہے۔

ادب کے ایک ناقد کا خیال ہے کہ غالباً غزل کی عمومیت کے سبب کلیم الدین احمد نے اسے نیم وحشی صنفِ سخن سمجھا، جبکہ غزل کی عمومیت ہی ہے جو اسے دوسری اصنافِ سخن سے ممتاز و موقر کرتی ہے، یہ بات بھی خوب ہے کہ اسی نیم وحشی صنفِ سخن نے اُردو زبان کے کلام و ادب اور تہذیب و شائستگی کو ایک ممتاز مقام دیا ہے، کلیم الدین احمد انگریزی ادب کے استاد تھے، انگریزی میں صنفِ غزل وجود نہیں رکھتی شاید اسی لیے اس کی پوری طرح آگہی اور اہمیت کا ادراک نہ کر سکے اور جوشِ تحریر میں جو جی میں آیا وہ کہہ گئے۔

مولانا الطاف حسین حالؔی نے غزل کو بے سود اور دور از کار صنف قرار دیا تھا۔ مولانا غزل کو پابندِ شریعت دیکھنا چاہتے تھے اور کچھ لوگوں نے اُن سے متاثر ہو کر غزل کو اخلاقی اور مذہبی صنف بنائے جانے کی خواہش کا اظہار بھی کیا، حالؔی اور اُن کے حلقۂ اثر کے لوگ، غزل کو مسلمان کرنے پر تُلے ہوئے تھے اسے اخلاق، تصوف اور شریعت کی زنجیروں میں بندھا دیکھنا چاہتے تھے، مگر غزل کہنے اور سننے والوں نے اُن کے اس خیال کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا، یہ طبقہ غزل کو کسی ایک خاص لباس میں ملبوس کرنے کا مخالف اور اس کی وسعت اور ہمہ گیری کا قائل تھا اور غزل کو اسلامی تشخص دینے کے

خلاف تھا اور یہی وجہ ہے کہ غزل اپنی پوری آب وتاب اور فطری اُٹھان کے ساتھ سَر اونچا کئے ہوئے رواں دواں ہے۔ حالیؔ، غالبؔ جیسے غزل گو کے شاگرد ہونے کے باوجود نظم گوئی کے حامی تھے۔ وہ نظم کی ترویج پر زور دیتے، غزل کی مخالفت سے نہ ان کو کچھ فائدہ پہنچا اور نہ غزل کو کوئی نقصان۔

غزل کی ابتداء تقریباً تیرہویں چودھویں صدی عیسوی سے جو امیر خسروؔ کا دور ہے ہو چکی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب اردو ابھی بولی تھی یا بولی سے زبان بننے کے سفر میں تھی، خام کاری سے پُختہ کاری کا سفر اس وقت کی شاعری کو میرؔ کے ہم عصر قائمؔ نے اپنے ایک مقطع میں یوں بیان کیا ہے۔

قائم میں غزل طور کیا ریختہ ورنہ
اِک بات لچر سی بہ زبانِ دکنی تھی

امیر خسروؔ کے دور سے فارسی شاعروں نے ایسی غزلیں کہنا شروع کر دی تھیں جن میں آدھا مصرعہ فارسی آدھا اردو یا ایک مصرع فارسی ایک مصرع اردو ہوتا تھا مثلاً۔

یکا یک از دلؔ دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں
کسے پڑی ہے جو جا سنائے، ہمارے پی کو ہماری بتیاں

امیر خسروؔ

امیر خسروؔ کی غزلوں سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اُن کی غزلیں آئندہ لکھی جانے والی غزلوں کا پیش خیمہ یا نقطۂ آغاز ضرور تھیں، اُن کے یہ مصرعے آج

کی غزل کی طرح صاف اور سریع الفہم ہیں۔

اے کاش مجھے تجھ سے سروکار نہ ہوتا

یا

غمِ فرقت میں جو جینے کا ساماں ہو تو جیو

ان مصرعوں سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بہ جانب ہوں گے کہ امیر خسرو نے اُردو غزل کی بنیاد چودھویں صدی عیسوی میں رکھ دی تھی۔ امیر خسرو بڑے باکمال شخص تھے۔ دوہے، پہیلیاں، مُکرنیاں، انمل، دوسُخنے، ڈھکوسلے اور قوالی کے موجد تھے موسیقی کے بھی کئی راگوں کے خالق تھے، اُن کا کلام ہندوستان کے طول وعرض میں گھر گھر پڑھا جاتا تھا اور وہ اپنی زندگی میں اپنے جوہرِ قابل کا لوہا پورے ہندوستان سے منوا چکے تھے۔

اردو شاعری کی ابتدا دکن سے ہوئی جہاں اثنا عشری شیعوں کی حکومت قائم تھی لوگ سلام، مرثیے نوحے لکھتے اور مجالس میں پڑھتے۔ نعت اور منقبت بھی لکھی جانے لگی تھی مگر یہ سارا کام عام طور پر غیر معیاری ہوتا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ بہتری آنی شروع ہوئی اصول وقوانین مرتب ہونا شروع ہوئے اور باضابطہ شاعری کی بنیاد ڈالی گئی۔ دکن سے دہلی، لاہور، لکھنؤ، آگرہ اور ہندوستان کے تمام شہروں میں پہنچی، سودا نے اسے

سدھارنے میں بڑا کام کیا مگر ناسخ نے جس انداز اور محنت سے اس کی تنظیف وطہارت کی وہی آج ہماری اردو زبان کا معیار ہے۔اردو زبان سے مبتذل اور بھونڈے الفاظ کی صفائی ستھرائی کے باعث غزل پر توجہات بڑھنے لگیں پھر اس کا سب سے بڑا مرکز دہلی بنا پھر لکھنؤ اور ہندوستان کے دوسرے شہروں میں غزل کا رواج بڑھتا رہا۔میرؔ نے کہا تھا ۔

پڑھتے پھریں گے گلیوں میں ان ریختوں کو لوگ
مدّت رہیں گی یاد یہ باتیں ہماریاں

امیر خسرؔو کے بعد علی قلی قطبؔ شاہ اُردو کا زبردست شاعر تھا جس نے غزل کے ساتھ دوسری اصنافِ سخن میں بھی بھرپور شاعری کی ہے۔

قطبؔ شہ نہ دے مجھ دوانے کو پند
دوانے کو کچ پند دیا جائے نا

قطبؔ شاہ کے ۵٦ سال بعد ولیؔ دکنی پیدا ہوئے اُن کی ابتدائی غزلوں میں دکن کی بول چال اور محاورے کثرت سے ہیں مگر وہ دلّی گئے تو ان کی زبان صاف ہونے لگی اور پھر انہوں نے ایسے شعر کہے۔

مَسندِ گُل منزلِ شبنم ہوئی
دیکھ رتبہ دیدۂ بیدار کا

اُردو غزل کے اس ابتدائی دور میں ہی ولیؔ نے کہا تھا۔

تا قیامت کُھلا ہے بابِ سُخن

اور اُس کی پیش گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی۔ جب تک شعورِ انسانی میں حسِ لطیف Aesthetic Sense موجود ہے ولیؔ کی یہ پیش گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوتی رہے گی۔

میر تقی میرؔ اور مرزا رفیع سوداؔ کی کوششیں رنگ لائیں اور غزل کا تشخص متعین اور ممتاز ہوا۔ میر تقی میرؔ خدائے سُخن قرار پائے۔ اُن کے بعد غالبؔ کا دور آیا۔ انہوں نے لازوال غزلیں کہیں اور اسدؔ سے غالبؔ ہو گئے، جعفر علی خاں اثرؔ کا یہ جملہ بھولتا ہی نہیں کہ ''غالبؔ غالب تھے، غالب ہیں اور غالب رہیں گے'' معنی آفرینی، خوش بیانی اور بذلہ سنجی اُن کے کلام کے جوہر قرار پائے۔

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا

غالبؔ

مقدار کے اعتبار سے غالبؔ غزل کے سب سے مختصر اور معیار کے لحاظ سے سب سے موثر شاعر ہیں۔ فارسی کا کلام اُردو سے زیادہ ہے اور وہ اپنے

دیوان کو آسمانی کتاب قرار دیتے ہیں۔

غالبؔ اگر ایں فن سخن دیں بودے

آں دین را، ایزدی کتاب ایں بودے

یہ عجیب شاعر تھا جس کی پہچان شاعری سے پہلے، اُس کے خطوط کے حوالے سے ہوئی اور پھر شاعر کی حیثیت سے، غالبؔ وہ پہلا نام ہے جو میرؔ کے ساتھ لیا جاتا ہے، اردو غزل کے حوالے سے ''میرؔ و غالبؔ'' کی ترکیب اب ادبی اور دائمی ترکیب کا درجہ اختیار کر چکی ہے، میرؔ و غالبؔ سے ناصرؔ کاظمی، افتخار عارفؔ اور فیضؔ و فراقؔ تک، غزل اپنی تمام خوش وقتیوں کے ساتھ اپنی ترقی کے منازل طے کرتی جا رہی ہے۔ ان کے اشعار سماعتوں سے گذر کر لوگوں کے دل و دماغ میں اپنا مسکن بنائے ہوئے ہیں۔

غزل ایک بڑے جاندار ماضی کی شاندار روایات کی حامل ہے اور اس کا مستقبل انتہائی خوشگوار اور خوش آیند ہے، پہلے برِصغیر کے بڑے بڑے شہروں میں اس کا بول بالا تھا لیکن اب یہ دنیا کے ہر ملک میں جہاں اُردو بولنے والے موجود ہیں اس کا سفر پوری آب و تاب کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ کتنے شعری مجموعہ ہائے غزل، کتنے دیوان، کتنے آڈیوز اور ویڈیو کیسٹس اس وقت دنیا میں موجود ہیں، اُن بے شمار غزلوں کے علاوہ جو دست بردِ زمانہ

سے تلف ہوگئیں، غزل کا کتنا بڑا ذخیرہ پھر بھی ہمارے ہاتھوں میں ہے، یہ نہ شمار کیا جاسکتا ہے نہ اندازے اس کا احاطہ کرسکتے ہیں۔ ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے جس کی لمبائی، چوڑائی، گہرائی سب تصور سے باہر ہے۔

تغزل جانِ سخن ہے اس لیئے ہر صنفِ سخن میں موجود ہے، حمد، نعت، منقبت، قصیدہ، مثنوی، شہر آشوب، ہجو، سلام، نوحہ، مرثیہ سب اصناف کے دسترخوان پر غزل کا نمک ذائقہ بڑھائے ہوئے ہے، اب غزلیت درحقیقت شعریت کی مترادف ہوگئی ہے، اگر شعریت ہی نہ ہو تو پھر شعر میں کیا رکھا ہے۔

مرثیہ جیسی مخصوص صنف کے شاعر خواہ وہ قدیم ہوں یا جدید، اپنے مرثیوں کو تغزل سے دو آتشہ بناتے ہیں، تمام مرثیہ گو شاعروں میں یہ روش عام ہے۔ اردو مرثیہ کے خدائے سخن میر انیس کے مرثیہ کا یہ بند دیکھیے اور فیصلہ کیجئے کہ میرا یہ دعویٰ کہاں تک درست ہے۔

ہاں غازیو یہ دن ہے جدال و قتال کا
یاں خوں بہے گا آج محمدؐ کی آل کا
چہرہ خوشی سے سُرخ ہے زہراؑ کے لال کا
گذری شبِ فراق، دن آیا وصال کا
ہم وہ ہیں غم کریں گے مَلَک، جن کے واسطے
راتیں تڑپ کے کاٹی ہیں اِس دن کے واسطے

کہا جاتا ہے کہ میر خلیق نے بیٹے سے کہا کہ ببر علی غزل کو سلام کرو۔ سعادت

مسند بیٹے نے غزل کو سلام کر بھی دیا اور غزل گوئی ترک کر دی لیکن کیا غزل اُن سے چھوٹی، اُن کا کون سا سلام ہے جسے غزل نہیں کہا جا سکتا۔صرف ایک سلام کے کچھ اشعار ملاحظہ کیجئے۔

سلام:۔

پڑے ہیں قبر میں، چھوڑا ہے شہ نشینوں کو
اَجل کہاں سے کہاں لے گئی حسینوں کو

پڑھیں درود نہ کیوں دیکھ کر حسینوں کو
خیالِ صنعتِ صانع ہے پاک بینوں کو

یہ جھریاں نہیں ہاتھوں پہ ضعفِ پیری نے
چنا ہے جامۂ اصلی کی آستینوں کو

بھلا تردُدِ بے جا سے اس میں کیا حاصل
اُٹھا چکے ہیں زمیندار جن زمینوں کو

لگا رہا ہوں مضامینِ نَو کے پھر انبار
خبر کرو مِرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

خیالِ خاطرِ احباب چاہیئے ہر دم
انیؔس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

کیا یہ اشعار غزل کے نہیں لگتے اور کیا اس سلام کے ہر شعر میں غزل نہیں

ہے۔

سلام کی شعری محفلوں کو ''مسالمہ'' کا نام دیا گیا ہے، اور قصیدہ خوانی کی محفلوں کو مقاصدہ کا، بالکل اسی طرح جیسے شعر خوانی کی بزم کو مشاعرہ کہا جاتا ہے مگر آج کل مشاعروں میں ان کو بھی پڑھوایا جاتا ہے جو سب کچھ پڑھتے ہیں مگر شعر نہیں پڑھتے، اپنی غیر شعری تحریر پڑھتے ہیں جسے آزاد نظم، نثری نظم یا نظمِ معرّا کہتے ہیں اردو لغت میں معرا کے معنی ننگا، برہنہ، خالی اور سادہ کے ہیں خیر یہاں اس ذیل مزید گفتگو کی ضرورت میں محسوس نہیں کرتا۔

میں جانتا ہوں کہ رفتہ رفتہ روایت سے بغاوت کے نام پر شعر گوئی سے اجتناب کے بہت سے راستے نکال لیے گئے ہیں اپنی ادبی روایت سے کنارہ کشی کر کے غیر شعری اصنافِ سخن متعارف کرادی گئی ہیں جو مغربی ادب کی روایات سے قریب تر ہیں، مجھے معلوم ہے کہ ان غیر شعری اصناف کو برتنے والوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جنھیں مشرقی طرزِ شاعری پر پوری دسترس حاصل ہے لیکن بیشتر ایسے بھی ہیں جو شعر گوئی کی استعداد کی کمی کی وجہ سے ان غیر شعری نظموں کا سہارا لیتے ہیں، جوشؔ ملیح آبادی بھی اسی فکر کے حامل تھے۔

یہاں ایک اور بات بھی توجہ طلب ہے کہ ہر اچھے شعر پر شاعر کو

دادو تحسین کی شکل میں جو پذیرائی ملتی ہے وہ Line لکھنے والوں کو نہیں مل پاتی، کسی کی دل آزاری میرا مقصد ہرگز نہیں، وہ بھی اپنے لحاظ سے زبان کی خدمت کرر ہے ہیں اور سب اہلِ قلم محترم ہیں۔

یہ بات بڑی خوش آیند ہے کہ اب کچھ دنوں سے ہماری شاعرات کی توجہ بھی اس طرف زیادہ ہو رہی ہے، خواتین کے لئے شاعری نہ کبھی شجرِ ممنوعہ تھی، نہ ہے اور نہ کبھی ہوگی، وہ ادب جس میں خواتین کے نکتہ ہائے نظر شامل نہ ہوں کسی اعتبار کا حامل نہیں ہو سکتا اُردو شعروسخن کی دنیا میں اب سے سو(۱۰۰) سال پہلے خواتین کا مشاعروں میں شعر پڑھنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ کسی Motivational Factor کی نایابی نے کم اور سماجی و معاشرتی قدغنوں نے زیادہ، انہیں اس سے دور رکھا مگر اب کچھ بندھن ٹوٹے تو انہوں نے رفتہ رفتہ اپنا نام بنانا شروع کر دیا ہے اور اب شاعرات کی ایک اچھی خاصی تعداد سرگرمِ عمل ہے جو غزل کی مانگ میں سیندور بھرتی ہوئی نظر آتی ہے اور جو بیاضِ غزل میں نسائی شاعری ڈال کر غزل کی محبوبیت اور ہمہ گیری میں خوشگوار اضافہ کر رہی ہے۔ ان کے وہ جذبات، احساسات و مشاہدات اور زاویہ ہائے نظر ادب میں شامل ہو رہے ہیں جن کا ادراک حضرات سے نہیں، خواتین ہی سے ممکن ہے اور بسا اوقات خواتین کی فکر ونظر، حضرات کی سوچ سمجھ سے اگر متضاد نہیں تو مختلف ضرور ہوتی ہے، خدا کا

شکر ہے کہ اب یورپ، امریکہ، کنیڈا اور ساری دنیا میں شاعرات ایک مثبت اور Active Role ادا کر رہی ہیں مگر اب بھی شاعروں کی تعداد کے پانچ فی صد کے اندر ہی ہوں گی، ضروری ہے کہ وہ تمام اقدامات کیئے جائیں جن سے مزید شاعرات اس کاروانِ سخن میں شامل ہوں اور اپنی فکر و فہم سے اردو ادب کو مالا مال کریں۔

قارئینِ کرام، غزل کے ذیل میں جو باتیں، جو عرضداشتیں اپنی بضاعت او استطاعت سے ممکن ہوئیں، پیش کر دی گئیں، اختصار کی کوشش اور خواہش کے باوجود جو طول ہے اسے آپ میرا عجز بیان سمجھیئے۔ اس ساری تحریر کا سبب افتخار کم اور عرضِ احوال واقعی زیادہ ہے، یہ سب باتیں آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں اس لیئے صرف ان کی یاددہانی مقصودِ نظر ہے، ہر چیز، ہر وقت ہر ذہن میں نہیں رہتی، اس گفتگو میں بھی ہوسکتا ہے کہ بہت سی باتیں رہ گئی ہوں، اور بہت سی باتیں اِن کہی چھوڑنا پڑی ہوں کہ آپ خود ہی اُنہیں سمجھ لیں گے، اس بات کو آپ کے اُس ذوقِ سلیم پر محمول کیا جا سکتا ہے جس پر مجھے پورا اعتماد اور اعتبار ہے۔

سپاس گزاری:۔

''نگارخانۂ غزل'' کی صورت گری میں کئی معزز اور محترم اہلِ دانش اور اربابِ شعر و ادب کی موقر آراء اور مفید مشورے شامل ہیں جن کی سپاس

گذاری کا حق ادا کرنے سے میری زبان عاجز ہے۔

۱۔ **آیت اللہ سید عقیل الغروی** نے اپنے ایامِ عزا کے مصروف ترین وقت میں کتاب کے مسودے پر نظر ڈالی اور اپنا مطمعِ نظر پیش کر کے مجھے خوش قامت کیا۔

۲۔ **ڈاکٹر سید تقی عابدی** نے اپنی ادبی اور پیشہ ورانہ مصروفیات سے مسودہ پڑھنے کا وقت نکالا اور اپنے گرانقدر نکتہ ہائے نظر سے اس کتاب کی توقیر میں اضافہ کیا۔

۳۔ **جناب شہاب کاظمی** نے اپنی بیگم کی شدید علالت کے دنوں میں مسودے کو حرف بہ حرف پڑھا اور پوری دیانت داری سے اپنے مخلص، صائب اور مفید مشوروں سے نوازا۔

۴۔ **پروفیسر حسن سجاد** نے میری طرف سے ایک ہفتہ کی جبری قید لگا دینے کے باوجود، مسودے کا مطالعہ کیا اور بڑی دیانت ومتانتِ فکر کے ساتھ اپنی خوش نگاری کا حق ادا کیا۔

۵۔ **جناب قمر اسعدی** نے پوری کتاب کی پروف ریڈنگ کی اور کتابت کی تصحیح کر کے اسے غلطیوں سے پاک کیا اور پھر اس کے لئے قطعۂ تاریخ بھی نظم کیا۔

۶۔ **جناب ساجد رضوی** جو اس کتاب کی ابتدا سے انتہا تک ہمیشہ ساتھ رہے اور ہر مرحلے پر ہمہ وقت مشورہ میں شامل رہے اور اپنے مضمون سے بھی

کتاب اور صاحبِ کتاب کی عزت افزائی کی۔

۷۔ اب آخر میں کتاب کی طباعت اور تزئین وزیبائش کے مراحل میں بھرپور دلچسپی سے معاونت کرنے میں جناب علی عباس رضوی، جناب طاہر زیدی، جناب سید محمد شاکر اور جناب انوار الحسن نقوی کا بے حد شکر گذار ہوں کہ انہوں نے مسافر نوازی کے تمام دروازے میرے لئے ہمہ وقت وا رکھے۔

میں ان سب کرم فرماؤں کا بے حد شکر گذار ہوں اور دین و دنیا میں ان کی سربلندی اور کامیابیوں کے لئے دست بہ دعا ہوں۔ اللہ انہیں ہمیشہ عزت ووقار کے ساتھ خوش وقت، خوش قدم اور شادوآباد رکھے۔ آمین

کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے، اپنی رائے سے مطلع کر کے شکر گذاری کا موقع دیں گے تو حوصلہ افزائی ہوگی۔

احسان مند و متشکر
باقر زیدی

تاثرات۔۔۔۔۔۔

باسمہ سبحانہٗ وبحمدہٖ

ہاں! شعر میں باقرؔ کے ہیں الہام کی باتیں

یہ بات کوئی ۲۸ برس پہلے کی ہے، جب میں نے ایک عزیزِ خاطر کی فرمائش پر حضرتِ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں شاعری کی حقیقت کے موضوع پر ایک مقالہ سپردِ قلم کیا تھا۔ جہاں تک یاد آرہا ہے، اس مقالے کا آغاز غالباً اس جملے سے ہوا تھا: ''شاعری جمالِ آدمیت ہے، البتہ، جلالِ نبوت کے منافی ہے''۔ مجھے آج بھی اِس اَمر میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ میرے نزدیک شاعری یقیناً جمالِ آدمیت ہے۔ عالمِ خیال کی وسعتوں میں شعور انگیز اور معنی خیز جولانی بھی فطرتِ انسانی کا ایک لازمی تقاضا ہے، جو الفاظ کی وساطت سے جذبات کی قوت اور احساسات کی حدت وحرارت کے ساتھ سرانجام پاتی ہے تو شاعری وجود میں آتی ہے۔

شاعری کے مختلف اصناف میں ہماری اُردو شاعری میں غزل کی ایک خاص اہمیت ہے۔ فارسی شاعری کی تاریخ میں ایک حافظؔ کے سوا کوئی شاعر محض غزل سرائی کی بنیاد پر اپنی عظمت کا لوہا نہیں منوا سکا۔ فردوسیؔ کا سرمایہ افتخار مثنوی ہے، انوریؔ کی دولتِ بیدار قصیدہ ہے، سعدیؔ نے غزل کو

ضرور اعزاز و افتخار بخشا لیکن خود سعدیؔ کا شُہرہ اُس کی مثنوی اور نثر کے سحرِ حلال سے قائم ہے۔ اِن تین بڑے پیمبرانِ سُخن کے علاوہ نظامیؔ اپنی پانچ مثنویوں کے سہارے سے، عطارؔ، سنائیؔ اور مولاناؔ رومی اپنی مثنویوں ہی کے اعجاز سے اور ابو سعید ابوالخیر اور عمرِ خیامؔ تو صرف اپنی رباعیوں کی حکمت و ظرافت سے شہرتِ عام اور بقائے دوام کی شہ نشینوں پر جگہ پا گئے۔ ہاں اُردو شاعری کی تاریخ ضرور ایسے ہی شعرا کی تاریخ سے عبارت ہے جن کا سرمایۂ ناز صرف اور صرف غزل ہی رہی ہے۔

صنفِ غزل کی تعریف و تنقید اور سنجش و ستایش کے تعلق سے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جاتا رہتا ہے۔ تاہم نہ تخلیق کا باب کبھی بند ہونے والا ہے اور نہ تنقید کی زبان کبھی رُکنے والی ہے۔ 'نکتہ ساز' اپنا کارِ خیر کرتے رہیں گے اور 'نکتہ سنج' اپنا دامنِ مراد بھرتے رہیں گے۔

ہم اگر بالکل ہی مکتبی انداز سے گفتگو کا آغاز کریں، اور ساتھ ہی اختصار کا بھی لحاظ رکھیں، تو اتنا کہتے ہوئے آگے بڑھ سکتے ہیں کہ صنفِ غزل کا نام خالص عربی ہے، لیکن اس کی تہذیبی اور ثقافتی فضا بڑی حد تک عجمی ہے، اور خود لفظِ غزل اپنے اندر اپنے تمام لُغوی معانی کو اُسی لطافت کے ساتھ سموئے ہوئے ہے جس لطافت کے ساتھ یہ صنفِ سُخن اپنے اندر انسانی

زندگی کے تمام تر پہلوؤں کو سمیٹے ہوئے ہے۔

لفظِ غزل کے لُغوی معانی کا جائزہ لیں تو اِسکے دو اہم معنی سامنے آئیں گے ایک، معشوق سے ہم کلام ہونا اور دوسرے، 'اُون کا تنا'۔ یوں تو عربی اشتقاق وصرف (etymology and morphology) کی طلسم کاری سے ایک ایک مادے (root word) سے بہت سے الفاظ ڈھلتے چلے جاتے ہیں لیکن ایک لفظ اور اسی مادے سے اس مقام پر قابلِ ذکر ہے۔ ہرن کے بچے کو بھی عربی میں 'غزال' کہتے ہیں۔ جس کی جمعیں غزلۃ اورغزلان آتی ہیں۔ اب اگر غور کیجیے تو صنفِ غزل اپنے مضمون کے اعتبار سے تو پہلے معنی کی حامل ہے، اس میں عشق و محبت ہی کی باتیں ہوتی ہیں اور اگر زندگی اور معاشرے کا کوئی اور پہلو بیان بھی کیا جاتا ہے تو وہ عشق و محبت ہی کے استعاروں میں بیان کیا جاتا ہے۔ اپنی ہیت کے لحاظ سے یہ صنف اُون کاتنے سے کہیں زیادہ ہنرمندی اور ظرافت کاری کا مطالبہ کرتی ہے اور اپنی خوش ادائی میں غزالِ رعنا سے کہیں زیادہ دل آویزیوں کی حامل ہے۔

غزل کی ہر بیت اپنی جگہ ایک مستقل مضمون کی حامل ہوتی ہے۔ اور ایک ہی غزل کے چند ابیات میں زندگی کے مختلف کوائف کا نہایت موثر اور فن کارانہ احاطہ ہوجاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ صنف فکر وخیال کی جزئیات کو

سمیٹ کر شاعری کے دامن میں محفوظ کردینے کی بہترین صلاحیت رکھتی ہے۔ غالبًا حکیمانہ فکروتدبر رکھنے والے شعرا میں بھی اس کی مقبولیت، اس کی اسی خصوصیت کی بنا پر پائی جاتی ہے۔

اُردو کے ناقدین نے اس کی حمایت اور مخالفت میں بہت کچھ خامہ فرسائیاں کی ہیں۔ مجھے اِس وقت اُن تمام اقوال سے مُتعرض ہونے کی مہلت میسر نہیں ہے۔ میں اِس لطیف اور موثر صنفِ سخن کے تعلق سے اپنی ایک رباعی نقل کر کے اس گفتگو کو صنفِ غزل کے سحر سے نکال کر شخصِ غزل گو کے اعجاز تک منتقل کرنا چاہتا ہوں:

رباعی

ہر 'بیت' میں اِک 'شہرِ سخن' ہے آباد
ہر برگِ گلِ تر میں چمن ہے آباد
کیا حسنِ غزل کی داد دیں گے نقاد
اِس صنف میں کائناتِ فن ہے آباد

اس مجموعہ غزلیات؛ ''نگار خانہ غزل'' کے خالق حضرتِ باقرؔ زیدی سے میری شناسائی اب سے کوئی رُبع صدی پہلے ہوئی تھی۔ جب مجھے

واشنگٹن کی سرزمین پر پہلی مرتبہ، ایامِ مُحرم ُالحرام میں حضرتِ امام حسین علیہ السلام کی قُربانیوں کی یاد میں ایک سلسلہ تقاریر کے لیے دعوت دی گئی تھی۔ وہاں میری میزبانی اور پذیرائی کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد تھی لیکن جس اخلاصِ محبت کے ساتھ باقر زیدی صاحب اور ان کے برادران اور احفاد و اَسباط خصوصاً نسیم فروغ صاحب حفظ اللہ اور جعفر زیدی مرحوم پیش آئے تھے، وہ اُن کا معاملہ اخلاص و محبت میرے لیے نہایت ہی خوش گوار اور یادگار اخلاقی اور معنوی تجربہ ثابت ہوا تھا، اور اُس کا نقش میرے دل پر آج بھی قائم ہے۔ چنانچہ میں اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر یہ کہنے کا حق رکھتا ہوں کہ باقر زیدی صاحب ایک اچھے، سچے اور کھرے انسان ہیں اور ظاہر سے باطن تک وہ ایک 'مکمل شاعر' ہیں۔ اگر وہ مقولہ صد فی صد درست نہ بھی مانا جائے کہ 'ایک اچھا انسان ہی اچھا شاعر ہوتا ہے' تو کم از کم انھیں دیکھ کر اس مقولے کی صحت کا اعلان ضرور کیا جا سکتا ہے۔

باقر زیدی صاحب کے تعلق سے یہ بات میں نے اِس سے پہلے بھی کہیں لکھی ہے کہ ''اُن کی شخصیت اور شاعری 'سخن آفریں ثقافت' اور 'ثقافت آفریں سخن' کا جیتا جاگتا سراپا ہے''۔ اُن کی سب سے بڑی خوبی تو یہ ہے کہ اُن کو عشق کے آداب بھی معلوم ہیں اور وہ 'حُرمتِ حرف'' اور

'حُرمتِ حسن'' دونوں کے امین ہیں۔

وہ اپنے اس ادعا میں بالکل حق بجانب ہیں کہ

آج ہم بارِ امانت جو سنبھالے ہوئے ہیں
اپنے اسلاف کی تہذیب کے ڈھالے ہوئے ہیں

حضرتِ باقر زیدی کے تعلق سے میں اپنے اِن تاثرات کا اظہار بھی پہلے ہی کر چکا ہوں کہ میرے مطالعہ اور تجزیہ کی حد تک اس وقت شمالی امریکہ میں مقیم اُردو کے مہاجر شعرا میں ''شاعری کی بے لوث حقیقت'' کے غالباً وہ سب سے بڑے امانت دار ہیں۔ اُردو کے ''اَدَبُ المہجر'' کی جب بھی کوئی تاریخ لکھی جائے گی تو باقر زیدی کے تذکرے کے بغیر کوئی درجہ اعتبار نہیں پا سکے گی۔

یہ حقیقت ہے کہ باقر زیدی صاحب نے شاعری بہت دیر سے شروع کی اور اُردو کے ادبی مراکز سے بہت دُور بیٹھ کر کی، اور ایسے دَور اور ایسے دیار میں شاعری کی جس میں 'ادبی آستانوں' اور 'شعری دبستانوں' کا کوئی تصور نہیں رہ گیا تھا۔ خصوصاً اردو شاعری کی تاریخ کے اس مرحلے میں اُستادی شاگردی کے ادارے ٹوٹ چکے تھے اور تمام سلسلے بکھر کر رہ گئے

تھے۔ لیکن ایک طرف باقر زیدی کی جودتِ طبع اور دوسری طرف اُن کے اپنے گھرانے کی روایت، اس پر اُن کا ذاتی ریاضِ فن اُنھیں متواتر کامیابیوں سے ہم کنار کرتا رہا اور آج وہ خود ایک 'بوستانِ سخن' کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ چنانچہ اُن کا یہ شعر واقعی اُن کے حسبِ حال ہے:

بارِ احساں کب اُٹھایا ہے کسی اُستاد کا
ہے مرا ذوقِ سخن ورثہ مرے اجداد کا

باقر زیدی صاحب کی یہ تازہ تصنیف جو اس وقت ہمارے لئے بصارت افروز اور بصیرت آموز ہو رہی ہے، صنفِ غزل سے اُن کی 'والہانہ دلچسپی' کی نہیں بلکہ 'متغزلانہ دلچسپی' کی آئینہ دار ہے۔ یہ اُن کے تفننِ طبع کا ایک پَرتَو ہے اور بس، ورنہ اُن کا جوہرِ کامل اُن کے سلاموں اور مرثیوں میں زیادہ نکھر کر سامنے آیا ہے:

سب پہ باقر کے مراتب نہیں کھلتے لیکن
اس کو کچھ مرثیہ گویانِ ادب جانتے ہیں

باقر زیدی کی شخصیت ہو یا اُن کی شاعری، اُن کے یہاں صحت مند

انسانی اقدار کا جو 'استحکام' پایا جاتا ہے وہ اُن کا سب سے بڑا اعجاز ہے۔ وہ خود تو سراپائے اقدار ہیں اور اُن کی شاعری سرتاسر ترجمانِ اقدار ہے۔

صنفِ غزل کے تعلق سے جو اُنہوں نے اس قدر جوش وجذبے اور والہانہ لگاؤ کا 'اظہار' کیا ہے اس کا سبب بھی واضح ہے کہ غزل کی صنف میں زیادہ سے زیادہ موثر انداز میں 'محبت' کی ترجمانیاں کی گئی ہیں اور محبت ہی ''اُمُ الاقدار'' یا ''قدرُ الاقدار'' ہے۔ نہ محبت کبھی 'از کار رفتہ' ہوسکتی ہے نہ محبتوں کا سچا اظہار کبھی بے لُطف و بے لذت ہوسکتا ہے۔ محبتیں ہی تو اِس 'پیرِ زال زندگی' کے دامن پر ''افسردگی'' کے دھبوں کو جمنے نہیں دیتی۔ بقولِ باقر زیدی:

حسن جب تک ہے حکایاتِ جنوں باقی ہیں
گرد پڑتی ہی نہیں عشق کے افسانوں پر

یہ شعر زبان پر آگیا ہے تو اُن کی اسی غزل کا مطلع اور یہ دو ایک شعر اور ملاحظہ فرمائیے اور دیکھیے کہ اس میں اردو غزل کی دبستانی شان کیسی زندہ اور تر وتازہ نظر آرہی ہے:

جو گذرنی تھی وہ گذری ترے دیوانوں پر
اور کچھ بس نہ چلا کھیل گئے جانوں پر

جتنی چاہت کی تمنا ہوئی، اُتنا چاہا
خاک ڈالی نہ کبھی حسن کے ارمانوں پر
یہ تو ساقی کی خوشی ہے جسے چاہے دے دے
نام لکھے تو نہیں ہوتے ہیں پیمانوں پر
شمع محفل کی ہو، یا گھر کی ہو، یا قبر کی ہو
جو گزرنی ہے گزرجاتی ہے پروانوں پر
جو لکھیں سچ لکھیں اور سچ کے سوا کچھ نہ لکھیں
کبھی یہ فرض بھی عائد ہو سخن دانوں پر

باقر زیدی کی شاعری میں اسلوب اور لہجے کا تنوع بھی قابلِ ستائش ہے۔اس لیے کہ بقولِ مولانا شیخ امام بخش ناسخ لکھنوی:

کون سی طرزِ سخن ہے جو اسے آتی نہیں
کیوں نہ ہو شاگرد ہے ناسخ ہر اک استاد کا

اور

ع: طبعِ ناسخ نے اُٹھایا ہے ہر استاد کا فیض!

چنانچہ قدرے جدید تر لب و لہجے کے اُن کے یہ اشعار بھی قاری یا سامع کی توجہ ضرور جذب کرسکتے ہیں:

باہر سے یہ کچھ اور ہیں اندر سے ہیں کچھ اور
پتھر کے مکاں آئینہ خانوں کی طرح ہیں
مجھ کو سائے سے نہ ناپو مرا پیکر دیکھو
سر پہ سورج ہے تو چھوٹے مرے سائے ہوے ہیں
کسی کی بھوک مٹادیں کسی کا تن ڈھانپیں
یہ چھوٹی چھوٹی سی باتیں بڑے بڑوں میں نہیں
کس کے ہاتھوں میں تھا یہ کارِ ہنر
پیرہن پھٹ گیا رفو نہ گیا

حضرتِ باقر زیدی کی شخصیت میں متانت کے ساتھ ساتھ ظرافت بھی خوب پائی جاتی ہے۔ کہیں اُن کی ظرافت پوششِ غم بنتی ہے تو کہیں اس میں جوششِ کرب بھی نمایاں ہوجاتی ہے۔ اس وقت بعض انسانی معاشروں کی اندھی سرمایہ پرستی اور مغربی سرمایہ دارانہ نظام نے دُنیا کے سیاسی حالات اور اقتصادی معاملات پر جن خطرناک طریقوں سے اپنا تسلط قائم کر رکھا ہے

اور اپنے اس تسلط کو برقرار رکھنے کے لیے پورے عالمِ انسانیت پر جو مظالم ڈھا رہے ہیں اُس پر کوئی بھی حساس اور بیدار انسان خاموش نہیں رہ سکتا تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ذمہ دار شاعر خاموش رہ سکے۔ چنانچہ باقرؔ زیدی نے کہیں سنجیدگی کے پیرایے میں تو کہیں ظرافت کے لہجے میں، ان مسائل پر بھی اپنی ''شاعرانہ اور اَدبی ذمہ داریاں'' خوب نبھائی ہیں۔ بطورِ مثال یہ چند اشعار بھی کچھ کم توجہ طلب نہیں ہیں:

جو فصل زیادہ ہو سمندر میں بہادو
کیا خوب ہیں اپنے یہ چچا سام کی باتیں

خواہشِ خُلد میں یوں کرتے ہیں دہشت گردی
خودکشی فرض ہوئی جیسے مسلمانوں پر

ہمارے شہر کے قاتل عجیب قاتل ہیں
کسی کے سر کوئی الزام بھی نہیں آتا

جہاد نام دیا دہشتوں کو ملّا نے
نصابِ علم تو اب اس کے مدرسوں میں نہیں

اے وقت بتا عہدِ وفا توڑ دوں میں بھی
مُردار ضمیروں کو پکاروں گا کہاں تک

باقر زیدی ایک پُر گواور زود گو شاعر ہیں۔ اِسی کے ساتھ وہ شاعر کے شاعر ہیں اور ناظم کے ناظم ہیں۔ اُن کے یہاں رطب و یابس سبھی کچھ ہے۔خصوصاً اُن کے پیشِ نظر مجموعے میں، جیسا کہ میں نے اشارہ کیا اُنھوں نے بہت کچھ محض از راہِ تفنن کہا ہے۔اس میں تفنن بھی ہے تساہل بھی ہے اور ظرافت بھی۔ دہلی کے میرؔ اور لکھنو کے ناسخؔ سمیت تمام بڑے شعرا کے یہاں بھی ہمیں یہ کیفیت ملتی ہے کہ وہ نہایت عمدہ، آبدار، تہہ دار، نکتہ خیز اور شور انگیز شعر کہتے کہتے ایک دم سے قافیوں اور ردیفوں سے کھیلنے لگتے ہیں۔ سو یہ کیفیت ہمیں باقر زیدی صاحب کے یہاں بھی ملتی ہے۔لیکن یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ کسی بھی شاعر کا اصلی مقام اور مرتبہ اس کے بہترین اشعار کو سامنے رکھ کر متعین کیا جاتا ہے، نہ کہ اس کے کمزور اشعار کو سامنے رکھ کر۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ باقر زیدی خود اپنے اس شعر کے مکمل مصداق ہیں:

خوش قلم ہوتے ہیں اُس قوم کے لکھنے والے
گرد جمنے نہیں دیتے جو قلم دانوں پر

آپ اُن کی غزلوں کے صرف اِن چند مطلعوں پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ اُن کے مطلعِ افکار پر کیسی روشنی، کس قدر تابناکی اور کتنی تابکاری ہے:

آیۓ! فکر کو فرات کریں
تشنہ شب میں غزل سے بات کریں

سیاہ زلفوں کے بادلوں سے جو دن میں وہ ماہتاب نکلا
تو شب کے مارے پکار اُٹھے کہ رات میں آفتاب نکلا

جو گذرنی تھی وہ گزری ترے دیوانوں پر
اور کچھ بس نہ چلا کھیل گئے جانوں پر
جو طاقِ دل میں جلائیں سماعتوں کے چراغ
اُنھیں سے رہتے ہیں روشن محبتوں کے چراغ
قصوں کی طرح ہیں نہ فسانوں کی طرح ہیں
ہم لوگ زمیں دوز خزانوں کی طرح ہیں
اپنی تہذیب کا پرچم جو اُٹھائے ہوئے ہیں
اپنی تاریخ و روایت کو بچائے ہوئے ہیں

اور جب اُن کے اس طرح کے اشعار نظر سے گزرتے ہیں:

صرف احسان ہے احسان کا بدلہ باقر
سبقت اس سے ہے انسان کو حیوانوں پر
تم پہ کھل جائے گا سب عرش نشینی کیا ہے
آ کے بیٹھو تو کبھی فرش نشیناں کے قریب

تو اُن کی اس انداز کی تعلّی بھی کس قدر دل انگیز معلوم ہوتی ہے:

سچ ہے جو یہ سمجھو کہ خدا بول رہا ہے
جب شعر میں باقر کے ہوں اِلہام کی باتیں

آپ اسے بے شک میری ذاتی محبت پر محمول کر سکتے ہیں لیکن مجھے تو باقر زیدی کی یہ تعلّی بھی مبنی بر حقیقت معلوم ہوتی ہے:

کاش باقر دیکھ سکتے اُس کو بھی اہلِ نظر
میرے شعروں پر جو اِک غیبی نشاں ہے صاد کا

میں ایک آخری بات جو اس سلسلے میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر محض تفنن طبع اور قافیہ پیمائی میں باقر زیدی ایسے ایسے عمدہ شعر نکال لیتے ہیں تو جب وہ پوری سنجیدگی کے ساتھ شعر کہنے کا پورا اہتمام کریں گے اور کوئی شاہکارِ فن

تخلیق کرنے کا جتن کریں گے تو وہ کون سی شعری بلندیاں ہیں جو ان کے قدم نہیں چومیں گی؟ میری دعا ہے کہ پروردگار اُنہیں مکمل صحت و عافیت کے ساتھ ''سفینہ نوح'' اور نَفَسِ خضر'' عطا فرمائے تا کہ وہ سفینۂ شعر و ادب کو تازہ سے تازہ تر ساحلوں اور جزیروں تک پہنچا سکیں! اور آنے والی نسلوں کے لیے گراں بہا تہذیبی اور فنی وراثتوں کے خزانوں پر مستحکم دیواریں تعمیر کر سکیں!

ع ''این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد''

خلوص کیش

خادمِ اہلِ بیت نبوی

عقیل الغروی

۹ ربیع الاول ۱۴۳۷ھ

انجمن تقریب ہمرکزِ باب المراد

858-856 ہیر و روڈ، سڈبری، لندن

باقرِ زیدی جسے کہتے ہیں اربابِ سخن
آبشارِ شاعری کہسارِ امریکہ میں ہے

آیت اللہ عقیل الغروی

"باقرؔ نے بھی غزل کو غزل در غزل کہا"

ڈاکٹر سید تقی عابدی (ٹورنٹو کینیڈا)

باقرؔ زیدی نے غزل کی بات کے ساتھ ساتھ خود نغمۂ غزل کو چھیڑا تو ہمیں صفیؔ کا شعر یاد آ گیا۔

غزل اُس نے چھیڑی کوئی ساز دینا
ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا

لیکن اس شعر میں تو گلستانِ غزل کی صرف ایک خوش نما کیاری کا ذکر ہے جس میں صرف حُسن و عشق، ہجر و وصل، رندی و شوخی، جام و ساقی، حبیب و رقیب اور معاملہ بندی کے مضامین جو کنگھی چوٹی کے سنگار سے چوماچاٹی کے نقش و نگار کی رنگینی اور دل کشی ہے۔

غزل شاعری کی واحد صنف ہے جس میں ہیّت کی پابندی کے ساتھ مضمون کی آزادی ہے۔غزل کی زمین روئے زمین کی طرح نوعِ خیال کے سب مخلوقات کو ان کی نشو و نما کے یکساں مواقع فراہم کرتی ہے۔

عربی فارسی غزلوں کی تاریخی اور ادبی حیثیت کا ذکر چھوڑ کر ہم اُردو

غزل کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ صنف شاعری کی مقبول ترین صنف قرار دی گئی ہے جس پر اُردو ادب میں سب سے زیادہ تنقید اور تبصرے کئے گئے ہیں مگر لکھنے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ ؎

دفتر تمام ہوگیا اور کچھ کہا نہیں

فلکِ غزل کے مہتاب مرزا غالبؔ نے غزل کی تنگ ظرفی کا گلہ کیا۔

بقدرِ شوق نہیں ظرف تنگنائے غزل
کچھ اور چاہئے وسعت مرے بیاں کے لئے

غزل کی تنگ ظرفی کو غالبؔ کی عالی فکری کے ساتھ دیکھا جائے جہاں غالبؔ ذہن کی تخلیق، فکروخیال کو محشر خیال سے تعبیر کرتا ہے۔ آج تک کسی بھی عربی، فارسی اور اُردو کے ادیب و شاعر نے ذہنِ انسانی کو ''محشر خیال'' سے نہیں جوڑا۔ چنانچہ غالبؔ کی فکر کو مغلوب کیا سمجھ سکے جو اس شعر کے جواب میں بد سلیقگی کا مظاہرہ کرے۔

غزل اور تنگ دامانی کا شکوہ
سلیقہ ہو تو گنجائش بہت ہے

بہر حال ہر دو شعر غزل کی وسعت بیانی پر صحیح ہیں کیونکہ ہر شخص کی فکر، اندیشہ، سلیقہ اور کمال جداگانہ ہے۔

باقر زیدی نے شاعری کے اس دور میں جہاں غزل گوئی کا قحط بھی ہے اور غزل فہمی کا فقدان بھی ایک عمدہ اور نیا تجربہ کیا ہے جو ان کی شخصیت کی ہمت اور فن کی مہارت کا نتیجہ ہے ورنہ اس زمانے میں اِن قدروں کے قدر شناس خال خال ہیں۔

ناصر کاظمی نے بہت سچ کہا ہے۔

بزمِ سخن بھی ہو سخنِ گرم کے لیے
طاؤس بولتا ہو تو جنگل ہرا بھی ہو

باقر زیدی نے 65 غزلوں کے چھ سو سے زیادہ اشعار کو ''غزل'' کی ردیف میں قید کر کے مضمون تراشی کی ایک ایسی مثال قائم کی ہے جو آج تک کسی بھی شاعر نے فارسی اور اُردو میں نہیں کی۔ ان 65 غزلوں کے قوافی قدیم کلاسیک اور جدید اختراعی بھی ہیں۔ غزلوں کی تقریباً تمام تر بحریں نغمگی سے سرشار اور وہی چند مانوس چھوٹی بحریں ہیں جو باقر زیدی کے ذہن میں رچی بسی ہیں۔ یہ بہت خوش آیند اور فطری اُپچ ہے کہ اچھا فطری

شاعر عموماً سنگلاخ اور غیر مانوس زمینوں میں اپنی تخلیقی فصل نہیں اُگاتا۔ میر انیسؔ کے اسّی (۸۰) ہزار سے زیادہ اشعار چار پانچ بحروں کے زحاف میں تقطیع کیے جا سکے ہیں۔

غزل کی گفتگو شروع کرنے سے پہلے ہم پر خدائے سخن آفتابِ غزل حضرت میر تقیؔ میر کی غزلوں کو سلام اور ان کی زبان پر درود پڑھنا دینِ شاعری میں واجب ہوتا ہے۔ مصحفیؔ نے میر تقیؔ میر اور مرزاؔ سودا کو دیکھا اور سُنا، اسی لیے تو کہا۔

خدا رکھے زباں ہم نے سنی ہے میرؔ و مرزاؔ کی
کہیں کس منہ سے ہم، اے مصحفیؔ اُردو ہماری ہے

آفتاب سے نورِ کسب کرنے والا مہتابِ غزل اسداللہ خان جو کسی کی بھی سخن میں شعری قوت کا قائل نہیں میرؔ کی استادی کا کلمہ پڑھتا ہے۔

ریختہ کے تمھیں استاد نہیں ہو غالبؔ
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا

یہ سچ ہے میرؔ کی غزل سے پہلے اُردو غزل، امیر خسروؔ کے دور، دکھنی شاعروں

کے دور اور باوائے اُردو وؔلی اور ان کے ہم عصروں کے دور میں لکھی جا چکی تھی پھر بھی بقولِ قائم۔

قائمؔ میں غزل طور کیا ریختہ ورنہ
اِک بات لچری بزبان دکھنی تھی

باقرؔ زیدی نے اپنی ایک پرانی غزل میں کہا تھا۔

تذکرہ میرؔ کا غالبؔ کی زباں تک آیا
اعترافِ ہنر اربابِ ہنر کرتے ہیں

یہ شعر عمدہ اور فنا ناپذیر شعر ہے جس میں سادگی اور صداقت کے ساتھ الفاظ میں لپٹی ہوئی صدیاں اور ان کی ادبی تاریخ بھی ہے۔ ہر ہنرمند نے، ہر غزل گو شاعر نے، میر کی غزل کا اعتراف کیا۔

باقرؔ کہتے ہیں۔

شاخِ مضموں پہ رنگ رنگ کے پھول
کیا مہکتا ہے گل ستانِ غزل

از زمیں تا بہ آسماں پرواز
دیکھیے وسعتِ بیانِ غزل
غالبؔ و میرؔ و داغؔ و فیضؔ و فراقؔ
یاد آتے ہیں صاحبانِ غزل

ایک اور غزل میں کہتے ہیں۔

دلی و لکھنؤ تھے شہرِ غزل
میر و ناسخؔ تھے شہریارِ غزل
ہم بھی حُسنِ غزل کے شیدا ہیں
ہم بھی باقرؔ ہیں پاسدارِ غزل

کبھی کہتے ہیں۔

دیکھ لیجے ولیؔ سے باقرؔ تک
عہد در عہد کارواں ہے غزل

خوش سخن میرؔ ہوں کہ مرزاؔ ہوں
دے رہی ہے انھیں خراج غزل

یہی تو خراج تھا جو غزل کے پیرائے میں معروف غزل نگاروں نے میرؔ غزل کو ہر دور میں ادا کیا۔

اُردو شاعری کے پہلے تشکیلی دور میں جو ساتویں صدی ہجری سے تعلق رکھتا ہے اور امیر خسروؔ اور ان کے ہم عصروں کا ہے جس میں فارسی اور قدیم اُردو کی آمیزش ہے ریختہ کے روپ میں ظاہر ہوا جس میں مثنویات، نظمیں اور غزلیں لکھی گئیں لیکن بہت جلد ریختہ غزل سے منسوب ہوگئی چنانچہ سعدیؔ ہندی نے کہا۔

سعدیؔ کہ گفتہ ریختہ دَر ریختہ دُر ریختہ
شیر و شکر آمیختہ ہم ریختہ ہم گیت ہے

دورِ دوّم جو دکھنی شاعروں کا دور ہے ریختہ ترقی کرنے لگی اور فارسی طرز پر تجربے ہونے لگے۔

گفتم کہ خال و زلفت کیا ہے سو بول منج کوں
گفتا کہ زلف دام ست ہور خال سو ہے دانہ

یہ تو ولیؔ دکنی کا دور تھا جس میں ریختہ غزل کے نام سے معروف ہوئی اب

دونوں نام استعمال ہونے لگے۔

یہ ریختہ ولیؔ کا جا کر اُسے سناؤ   رکھتا ہے فکر روشن جو انوریؔ کے مانند

شاید غزل ولیؔ کی لے جا اسے سنا دے   اس واسطے بجا ہے مطرب سوں ساز کرنان

میرؔ نے بھی مرزا نے بھی غالبؔ نے بھی دونوں الفاظ استعمال کیے۔

سوداؔ تو اس غزل کو غزل در غزل ہی لکھ   ہونا ہے تجھ کو میرؔ سے استاد کی طرف

آتشؔ بقولِ حضرت سوداؔ شفیق من   ہونا ہے تجھ کو میرؔ سے استاد کی طرف

غالبؔ اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ ناسخؔ   آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میرؔ نہیں

نہ ہوا پر نہ ہوا میرؔ کا انداز نصیب
ذوقؔ یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

نرالی سب سے ہے اپنی روش اے شیفتہؔ لیکن
کبھی دل میں ہوائے شیوہ ہائے میرؔ پھرتی ہے

یوں تو ہیں مجروحؔ شاعر سب فصیح
میرؔ کی پر خوش بیانی اور ہے

حالیؔ سخن میں شیفتہؔ سے مستفید ہے
غالبؔ کا معتقد ہے مقلد ہے میرؔ کا

میں ہوں کیا چیز جو اس طرز پہ جاؤں اکبرؔ
ناسخؔ و ذوقؔ بھی جب چل نہ سکے میرؔ کے ساتھ

ع۔کوئی غزل سرا نہ ہوا میرؔ کی طرح (امداد امام اثرؔ)

شعرؔ میرے بھی ہیں پُر درد و لیکن حسرتؔ
میر کا شیوۂ گفتار کہاں سے لاؤں

باقر زیدی نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

اہلِ غزل کو مل نہ سکا میرؔ کا مقام
وہ بات اور ہے جو خدائے سخن میں تھی

شعر گوئی کی ابتدا ہے غزل
میرؔ و غالبؔ کی انتہا ہے غزل

باقر زیدی نے اپنے غزل کے سفر میں غزل گویوں کی زمینوں پر مسافت کی ہے، ان کے باغوں کے گھنے پیڑوں کے سایوں سے استفادہ کیا ہے اور ان کے برگ و گل و ثمر سے اپنی فکر اور فنی کمال کو رنگینی اور توانائی بخشی ہے اور یہ سارا عمل ان کی تخلیقی فطرت کا سرمایہ ہے جو ہر بڑا فطری شاعر کرتا ہے اور اسی عمل کو آمد کہتے ہیں۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں اگر دنیا میں باتیں دھرائی نہ جاتیں تو کبھی کی ختم ہو جاتیں۔ شاعری بھی رنگوں کو جمانے اور سجانے کا نام ہے۔ شاعری کی سلطنت میں ہر شاعر اپنا ایک مقام بناتا ہے جو اس کے طرزِ

اسلوب کا تکیہ ہوتا ہے۔ چراغ سے چراغ جلایا تو جاتا ہے لیکن ہر چراغ کا کام، دام اور نام علیحدہ ہوتا ہے۔ شاعروں سے باقرؔ کا سلوک دیکھیے۔

ے یہ زمیں مصحفی کی اچھی ہے
کچھ کی تکرار میں مزا ہے کچھ

یوں سمجھو کہ غالبؔ سے عقیدت کا اثر ہے
شوخی کی جھلک گر مرے اشعار میں آوے

شوخی و ندرتِ افکار ہے غالبؔ کا کمال
صوت و آہنگ کو دیکھو تو غزل میرؔ کی ہے

باقرؔ کو اچھے غزل گو شعرا کی کمی کا احساس ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ جدید غزل کے تقاضے کچھ اور ہیں۔

ناصرؔ ساحرؔ ابنِ انشاؔ فیضؔ و فراقؔ و جوشؔ و جگرؔ
کیسے کوی اور کیسی کویتا اب جو پڑا ہے کال لکھوں

باقرؔ صاحب انشا جی کا، رنگِ غزل کچھ میرؔ کا ہے
پھر میں کیسے غالبؔ لکھوں داغؔ لکھوں اقبالؔ لکھوں

چنانچہ غزل کی ردیف میں جدید غزل کی تخلیق شاعر کی نظر میں ضروری ہے کیونکہ کلاسیک غزل جس میں غزل کے مخصوص الفاظ کی آمد ونشست بہت ہو آج کے زمانے میں مشکل ہے۔شاعر وقت اور ماحول کے تقاضوں سے متاثر ہوکر اور انہی خارجی اور تجربات سے حاصل شدہ داخلی واردات کو پیش نظر رکھ کر تخلیق کرتا ہے۔قدیم لکیر کو پیٹنا بے وقت کی راگنی محسوس ہوتی ہے اندیشۂ فرداصرف جائز نہیں بلکہ مستحسن ہے اسی لئے شاعروں نے کبھی اپنے کو عندلیبِ گلشن نا آفریدہ تو کبھی شاعرِ فردا کہا ہے۔باقرؔ زیدی نے جو غزلیں ''غزل'' کی ردیف میں کہی ہیں وہ مابعد جدید غزلوں میں شمار کی جاتی ہیں۔ آج کے اس ادبی قحطی دور میں میرؔ اور سوداؔ کی طرز کی غزلیں سامعین کو سنانا بین بجانے کے برابر ہے۔ خود کہتے ہیں۔

میرؔ و سوداؔ کے زمانے کی غزل اس دور میں
شعر گوئی یوں بھی از بسکہ بہت دشوار ہے

جہاں تک غزل کی مخالفت کا مسئلہ ہے وہ کم وبیش حالؔی کے مقدمہ شعروشاعری مطبوعہ ۱۸۹۳ء سے شروع ہوتا ہے چنانچہ نظم کے بڑے شاعروں نے غزل کہنے کے ساتھ ساتھ غزل کو اس دور کی ضروریات کے لئے نامکمل اور مضر رساں قرار دیا۔ کلیم الدین احمد نے اسے نیم وحشی صنف، عظمت اللہ خان نے اس کی گردن زدنی کا فتوی صادر کیا۔ اسماعیلؔ میرٹھی نے اپنی نظم ''جریدۂ عبرت'' میں اس کی عشقیہ شاعری کا مذاق اُڑایا۔ جوشؔ نے اپنے مخصوص لہجے میں لعن وملامت کی۔

حالؔی سے لے کر خالی ڈفالی سب نے جو اعتراضات کئے ان کو ہم تین جملوں میں مختصر کر سکتے ہیں۔

غزل صرف حسن وعشق کے معاملات تک محدود ہے اور اس میں تجرباتی صداقت بھی نہیں۔

غزل میں چونکہ ہر شعر علیحدہ ہوتا ہے اس لئے اس میں متضاد جذبات جمع ہو جاتے ہیں جو گہرا اثر پیدا نہیں کرتے۔

غزل میں ردیف اور قافیے کی قید خیال کا گلہ گھونٹ دیتی ہے چنانچہ شاعر کو وہی خیال باندھنا پڑتا ہے جو قافیہ کا تقاضا ہو جس کو قافیہ پیمائی کہتے ہیں۔ یعنی یہاں غزل کے ایک رخ وہ بھی قدیم لکھنؤ اور دلّی کے شائع شدہ

شہوت پرست شاعروں کے کلام سے پیش کیا گیا ہے۔ جبکہ غزل وہ نہیں جو صرف ان محدود حد بندیوں میں جکڑی رہے۔ باقرؔ زیدی مرثیہ نگاری کے ساتھ ساتھ ایک عمدہ غزل گو شاعر ہیں۔ ان کی دوسری غزلیں جو "لذتِ گفتار" اور دوسرے مجموعوں میں شائع ہو کر دادِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ان میں نہ صرف عشقی معاملات یا متضاد جذبات اور قافیہ پیمائی نہیں ہے بلکہ ہر قسم کے جذبات، احساسات، اخلاقیات، تجربات، سماجیات، سیاسیات، دینیات کے ساتھ ساتھ انسانیت اور آفاقیت کے نادر مضامین نئی شعری طرز میں نظر آتے ہیں۔ اس تازہ صحیفہ "نگارخانۂ غزل" میں باقرؔ نے ردیف کی قید اور قوافی کی ہمہ جہتی کے زیرِ اثر خوبصورت اشعار تخلیق کر کے اس الماس درخشندہ کے دوسرے زاویوں کو نہ صرف ظاہر کیا ہے بلکہ خیال کی کرنوں کو اس ہیرے سے گذار کر چشمِ بینا کو چکا چوند کر دیا ہے۔

کچھ شعر سنیے اور فکر و فہم کو سرور بخشیے۔

رنگِ دستِ حنا غزل کا رچاؤ
حُسنِ تہذیب کا جہاں ہے غزل

عارفوں کا کلام شاہد ہے
معرفت کے دیئے جلائے غزل

مئے مضموں کا ہے ایاغ غزل
فکرِ شاعر کا ہے چراغ غزل

جو ادب کی رگوں میں دوڑتا ہے
قلبِ شاعر کا وہ لہو ہے غزل

تیرا دامن بہت کشادہ ہے
تو نہیں صرف قیل و قال غزل

اس میں تہذیب ہے بزرگوں کی
ایک پورا معاشرہ ہے غزل

حُسن والوں کے بیچ رہتی ہے
رکھتی ہے حُسن کا مزاج غزل

وہ قلم کار محترم ہیں بہت
کررہے ہیں جو اجتہادِ غزل

سچ تو یہ ہے اس قسم کے تجربات اجتہادِ غزل ہی کہلائے جاسکتے ہیں جو باقرؔ

نے کیا۔

اپنا حصہ ہمیں بھی ڈالنا ہے
فرض ہم پر بھی ہے جہادِ غزل

غزل گوایسا مجاہد ادب ہے جوتلوار کی جگہ قلم اور زلفِ تابدار رکھتا ہے۔

وہ غزل گو ہے جس کے ہاتھ میں ہو
شانۂ زلف تابدار غزل

وہ ہر اِک بحر کا شناور ہے
جس کو حاصل ہے اقتدارِ غزل

باقر انسانی قدروں کو غزل کی شناخت میں اجاگر کرتے ہیں اور آدم کشی کے خلاف استغاثہ کررہے ہیں۔

یہ رہِ آشتی پہ رہتی ہے
کیا کسی کو کرے ہلاک غزل

حُسنِ احساس کو تصویر بناتی ہے غزل
دل کی آیات کو تفسیر بناتی ہے غزل

پھول احساس کے مصرعوں میں پرو کر اپنے
حُسنِ افکار کو زنجیر بناتی ہے غزل

غزل تاریخ کے اوراق کی طرح واقعات اور شخصیات کے کارناموں اور کرتوتوں کو اپنے سینے پر کندہ رکھتی ہے۔

چاہنے والوں کی توقیر بناتی ہے غزل
مومنؔ و مصحفیؔ و میرؔ بناتی ہے غزل
باقرؔ غزل اُسامہ و داعش نہیں بنی
دہشت گروں کی جنگ میں یورش بنی غزل

ہم نے باقرؔ زیدی کی ان تازہ غزلوں کو جو مردّف بہ ''غزل'' ہیں اکیسویں صدی کی مابعد جدید غزل اس لیے بھی کہا ہے کہ ان میں روز مرہ میں استعمال ہونے والے الفاظ کا استعمال بلا جھجک کیا گیا ہے وہ کلاسیک غزل کی تہذیبی زبان تھی جہاں تغزل کے حرم سرا میں صرف محرم الفاظ داخل ہوسکتے تھے آج کی جدید دنیا میں ارسال اور ابلاغ کا مسئلہ شاعر اور قاری کے درمیان خلیج رکھتا ہے جس کو پار کرنا ہر تیرنے والے کے بس کا کام نہیں

چنانچہ اس کم مطالعہ، سائنسی دور کے ادب کی ضرورت یہ بھی ہے کہ دوسری زبانوں کے عام سہل اور بول چال کے الفاظ غزل میں بٹھائے جائیں جو گرچہ آج فرشِ مخمل پر ٹاٹ کے پیوند محسوس ہوں لیکن آہستہ آہستہ ڈیزائن کی صورت اختیار کر جائیں گے۔ یہ اجتہاد بھی حالیؔ سے شروع ہوا انہوں نے سواسو سال قبل اپنی غزلوں اور نظموں میں ایسے الفاظ لکھے جس کی تشریح حاشیے میں دینی پڑی مگر باقرؔ زیدی نے ایسے الفاظ لکھے جس کی توضیح ضروری نہیں بلکہ وہ عوامی ہیں۔

حالیؔ کہتے ہیں۔ ؎ مسلمانوں کو گڈ سبجکٹ بننا یہ سکھاتا ہے (Good Subject)

؎ فرقہ ہے کنزرویٹو ان میں جو ایک (conservative)

؎ ہے کنگ ڈم سے آساں میڈم کو بس میں لانا (madam - Kingdom)

کرشن موہن کہتے ہیں۔

اس رنگِ اجتہاد کے ہیں مدعی کئی
توڑا ہے گرچہ میں نے غزل کی زبان کو

ظفرؔ اقبال۔

میں نے پوچھا کہ ہے کوئی اسکوپ (Scope)
مسکرا کر کہا گیا نو ہوپ (No hope)

عقیل شاداب نے مشورہ دیا جو زیادہ جالب نہیں۔

دور یہ ہے کھوکھلے اور کھردرے الفاظ کا
فکر و فن کا اس طرح ہر شعر پر رندہ نہ کر

باقر زیدی کے چند شعر غزل کی ردیف میں دیکھئے۔

اچھی ہوتی ہے ٹیپ ٹاپ غزل — تجھ کو توفیق ہو تو چھاپ غزل (Tip Top)
وہ جو باقر سنائی تھی تم نے — وہی ٹھہری ہے آج ٹاپ غزل (Top)
آبِ دریا میں تیز رو اتنی — کشتیوں میں ہے جیسے لانچ غزل (Launch)
شاخ در شاخ گُل کھلاتی ہے — شاعری کی ہے وہ برانچ غزل (Branch)
تو کہ اِک ہاٹ کیک ہو جیسے — اللہ اللہ تری ڈیمانڈ غزل (Hot cake Demand)

کہنہ باتیں جدید لہجے میں

پروفیسر حسن سجاد

دورِ حاضر کے نامور نقاد نظیر صدیقی نے کہیں لکھا ہے کہ "اساتذہ کے کلام کی خوبی یہ ہے کہ اس میں کوئی عیب نہیں ہوتا اور عیب یہ ہے کہ اس میں کوئی خوبی نہیں ہوتی" رسمی، روایتی اور تقلیدی شاعری پر یہ ایک ایسا با معنی اور جامع تبصرہ ہے جس پر غور کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ہمارے غزل گو شعراء کی اکثریت اپنے انفرادی تخلیقی جوہر کو بروئے کار لانے کے بجائے ایک مخصوص شعری نظام کے اندر رہ کر فنی اظہار کو شاعری کی معراج سمجھتی ہے۔ ان میں سے بیشتر شعراء کے پاس ایسا کوئی منفرد اسلوب بھی نہیں ہوتا۔ یوں بھی غزل کی حدود ہمیشہ سے طے شدہ اور متعین رہی ہیں۔ ردیف، قافیہ، مطلع، مقطع اور دو مصرعوں میں بات کو مکمل کرنے کی پابندی، جو پہلے تھی سو اب بھی ہے۔

تشبیہات و استعارات اور صنائع لفظی و معنوی کا ذخیرہ بھی دستیاب ہوتا ہے۔ اس لئے ذرا سی بھی موزونیِ طبع رکھنے والا سب سے پہلے غزل پر ہاتھ صاف کرتا ہے اور پھر مسلسل مشقِ سخن اور استاد کی رہنمائی میں جلد ہی

صاحبِ دیوان ہو جاتا ہے۔ مشاعروں نے اس شعری روایت کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں ہر دور میں غزل کے شاعروں کی تعداد، نظم گو شاعروں کے مقابلے میں زیادہ ملے گی یہ اور بات کہ پامال مضامین کو فرسودہ اسالیب میں پیش کرنے کی وجہ سے اس طرح کی شاعری میں نہ کوئی جان ہوتی ہے اور نہ زندہ رہنے کی صلاحیت۔ اسی لئے ہر دور میں ایسے شاعر انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں جو اپنے زمانے کے ہجوم سے الگ نظر آئیں۔

ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ کثرتِ استعمال سے الفاظ اپنے معانی کھو دیتے ہیں۔ پھر کسی ایسے لکھنے والے کی ضرورت ہوتی ہے جو ان لفظوں کے تخلیقی استعمال سے ان کا اعتبار بحال کرے۔" جیسا کہ اقبالؔ نے جہاں ایک طرف سے علوم اور شاعری کے باہمی روابط کو اجاگر کیا وہاں لفظیاتی اور اسلوبیاتی سطح پر بھی ان کی غزل کلاسیکی غزل سے مختلف نظر آتی ہے۔ انہوں نے غزل کو ایک بالکل نئی زبان اور نیا رنگ و آہنگ دیا۔ پھر فیضؔ نے بہت سے روایتی الفاظ جیسے قصر، آشیانہ، گلشن، صیاد، جام، مے خانہ، ساقی، قاتل اور مسیحا وغیرہ کو سیاسی علامات کے طور پر استعمال کر کے ان کے معنی بدل دئے۔ ان تبدیلیوں کو ہمارے وجدان نے خوش دلی

کے ساتھ قبول کیا اور بعد میں آنے والے شعراء کے لئے یہ تبدیلیاں ایک مثال بن گئیں۔

لیکن اسی کے ساتھ ساتھ غزل میں کچھ ایسے نئے تجربات بھی کئے گئے جن کا حاصل یہ تھا کہ غزل کو ان لفظیات اور موضوعات تک محدود نہیں رکھا جا سکتا جو صدیوں پہلے غزل کے لئے متعین کر دئے گئے تھے اور اس کے حق میں یہ دلیل دی گئی کہ ہم جو کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ پرانی اور مروج زبان میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اس تبدیلی کے سب سے بڑے علمبردار ظفر اقبال اور سلیم احمد ہیں جنھوں نے بزعمِ خود غزل کو ایک نیا رُخ دینے کی کوشش کی مگر یہ کوشش اس لئے کامیاب نہ ہو سکی کہ یہ لسانی تشکیل اور نامانوس الفاظ کا استعمال غزل کے تہذیبی مزاج کے بھی خلاف تھا اور اس غنائیت سے بھی متصادم تھا جسے ہم غزل کی جان کہہ سکتے ہیں۔ بھلا اس طرح کے اشعار، غزل جیسی لطیف اور نرم و نازک صنفِ سخن کیسے قبول کر سکتی تھی۔

تری جانب سے دل میں وسوسے ہیں
یہ کتے رات بھر بھونکا کئے ہیں

گانٹھتے ہیں پھٹے ہوئے جذبات
ہو کے سید بنے، سلیمؔ چمار
سلیم احمد

گھر والی کے واسطے بچی نہ پیالی چائے کی
کتے بلیاں آن کر کھا گئے کیک مٹھائیاں

ہم بھی گئے تھے گرمیٔ بازار دیکھنے
وہ بھیڑ تھی کہ چوک میں تانگہ اُلٹ گیا ظفر اقبال

اس پس منظر میں جب ہم باقرؔ زیدی کی غزلوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو سب سے پہلے یہ بات سامنے آتی ہے کہ انہوں نے اپنی شعری روایت اور تہذیبی ورثے کو شعوری طور پر قبول کرکے روحِ عصر کو اپنے تخلیقی وجود میں جذب کیا تو ایک جدید شعری اسلوب بنانے میں کامیاب نظر آئے۔
باقرؔ زیدی کی جدت محض فیشن کے طور پر یا چونکا دینے کیلئے نہیں ہے بلکہ کلاسیکی شاعری کے دائرے میں رہ کر اسے برتتے برتتے انہوں نے اسی میں سے اپنے لئے ایک نیا راستہ نکالا ہے اور نئی حسیات کو اپنے وسیلۂ اظہار میں بیان کیا ہے۔

"دُرِ دریائے غزل" سے "نگار خانۂ غزل" تک ایک طویل سفر ہے اور یوں لگتا ہے جیسے اب انہوں نے اپنی آواز کو پالیا ہے۔ انہوں نے عشق و محبت کی شدید داخلی اور انفرادی کیفیات کو انسانوں کی ہمہ گیر اور متنوع دلچسپیوں کے پس منظر میں اس طرح پیش کیا ہے کہ وہ تمام کیفیات عمومیت کی حامل بھی بن گئی ہیں اور فکر و فہم کی تحریک کا ذریعہ بھی۔ اب ہم کو ان کے موجودہ شعری سرمائے میں انسان اور کائنات کی ہم آہنگی کا احساس ملتا ہے شدید داخلی کیفیات کی مصوری کے باوجود، اب ان کی غزل پوری زندگی کا آئینہ بن گئی ہے یہ محض جذبے یا محض تفکر کی شاعری نہیں ہے بلکہ ایسی روح کی داستان ہے جو حساس ہونے کے ساتھ ساتھ باشعور بھی ہے۔ یہ وہ شاعری ہے جو ہمارے ذہنی اطمینان و انبساط کا باعث بنتی ہے۔ یہ اشعار دیکھئے جن سے جذبات و احساسات کی دنیا میں وسعتوں کے نئے دریچے کھل جاتے ہیں۔

گھر سروں پر اُٹھائے پھرتے ہیں　　　کون ہوتا ہے بے زمینوں کا

محبتوں کی طلب میں نکلو تو اس کے آداب بھی برتنا
تو پھر سمجھنا کہ شاخِ جاں پہ کلی کھلی یا گلاب نکلا

ہونا یہ چاہیے تو نہیں تھا، مگر ہوا ‏ ‏ ‏ جو ہم سفر نہ تھا وہ شریکِ سفر ہوا

وقت کی گردشوں میں رہتے ہیں ‏ ‏ ‏ اس سے کیسے نجات ممکن ہے

کچھ تو معلوم ہو ہے کون مربی اپنا
کس سے ہم چھن گئے اب کس کے حوالے ہوئے ہیں

میں چل رہا ہوں کسی اجنبی سے رستے پر
یہ راستہ تو مرے گھر کے راستوں میں نہیں

یہ رونقیں بھی ٹھکانے بدلتی رہتی ہیں
کبھی جو رہتی تھیں گھر میں، وہ اب گھروں میں نہیں

باقر زیدی کی شاعری کا بڑا حصہ ایسے اشعار پر مشتمل ہے جس میں ان کے گہرے سماجی اور سیاسی شعور کا اظہار ہوا ہے۔ کوئی بھی اچھا شاعر اپنے گرد و پیش سے بے خبر رہ کر محض اپنے دل کی دنیا میں گم نہیں رہ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ داخلیت سے خارجیت کی طرف سفر شروع کرتے ہیں تو اس ظالمانہ سیاسی نظام پر ان کی نظر پڑتی ہے جس نے جمہوریت کے نام پر جمہور

کی زندگی جہنم بنا رکھی ہے اور برسرِ اقتدار قوتوں کی بے حسی نے مجبور انسانوں کی اکثریت کا جینا حرام کر دیا ہے۔ جہاں مذہب کے نام پر انسانوں کو خون میں نہلایا جا رہا ہے اور جہاں شر کے گہرے بادلوں نے خیر کی روشنی کو نگل لیا ہے۔

مسجدیں تھیں کبھی اماں کی جگہ
قتل و خوں ہے اب ان پناہوں میں
مدرسے ہیں کہ دارِ وحشت ہیں
گھر گئے ہیں عجب سپاہوں میں

گھر بار چھوڑ کر وہ کہاں جائیں، کیا کریں
وہ بدنصیب شہر میں جن کے اماں نہ ہو

شہر میں وہ ہوا چلی ہے کچھ
جان جوکھوں میں پڑ گئی ہے کچھ
آج کل ایسی زندگی ہے کچھ
دل لگی ہے نہ خوش دلی ہے کچھ
قتل و غارت کا گرم ہے بازار
شہر مدت سے ماتمی ہے کچھ

روشنی گم ہوئی اندھیروں میں
اب اندھیرا ہی روشنی ہے کچھ

ہمارے شہر کے قاتل عجیب قاتل ہیں
کسی کے سر کوئی الزام بھی نہیں آتا

واسطہ حاکم سے یوں ہے قوم کے افراد کا
جیسے سب مجرم ہیں ہم اور سامنا جلاد کا

خواہشِ خلد میں یوں کرتے ہیں دہشت گردی
خودکشی فرض ہوئی جیسے مسلمانوں پر

عدالتوں سے بھلا کس طرح ملے انصاف
کہ یہ صفت تو وہی ہے جو منصفوں میں نہیں

میرے وطن میں ہیں جو مشیر و وزیر لوگ
کم ہی ملیں گے ایسے کہیں بے ضمیر لوگ

لیکن ان نامساعد حالات کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے بجائے وہ ایک مثبت سوچ کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ امید رکھتے ہیں کہ حالات ایسے نہیں رہیں گے اور مایوسیوں کے اندھیروں سے امید کی کوئی کرن ضرور چمکے

گی۔ان مظلوم بستیوں سے کوئی نجات دہندہ ضرور سامنے آئے گا جو حاکموں کے دستِ مظالم کو توڑ دے۔

وہ حبس ہے کہ سانس کا لینا بھی ہے محال
ایسے میں انقلاب کا رستہ کوئی تو ہو
جو حاکموں کے دستِ مظالم کو توڑ دے
مظلوم بستیوں میں بھی ایسا کوئی تو ہو

زمانہ ہوگیا اب خاک وخوں کا ختم ہو کھیل
کوئی تو بڑھ کے بجھائے یہ وحشتوں کے چراغ

کوئی تو اٹھے جو آئے ہم کو یہ مژدۂ جانفزا سنائے
چھٹا اندھیرا، ستارے ڈوبے، سحر ہوئی ، آفتاب نکلا

اِس کتاب پر یہ معروضات نامکمل رہیں گی اگر باقر زیدی کے اس کارنامے کا ذکر نہ کیا جائے کہ انہوں نے 165 ایسی غزلیں کہیں ہیں جن کی ردیفیں لفظ غزل پر ختم ہوتی ہیں اور ان غزلوں میں الف سے 'ے' تک سارے قافیے ترتیب کے ساتھ برتنے کا التزام کیا گیا ہے۔ بلا شبہ غزل کی تاریخ پر یہ اپنی نوعیت کا پہلا اور منفرد تجربہ ہے۔ان غزلوں کی سب سے

بڑی خوبی یہ ہے کہ ان میں غزل کی روایات، علائم ورموز، نزاکتِ زبان اور لطافتِ بیان کا بھرپور اظہار ہوا ہے اور ان غزلوں کے اشعار اس قدر ڈوب کر کہے گئے ہیں کہ کسی ایک شعر پر بھی محض قافیہ پیمائی یا بھرتی کے شعر کا گمان نہیں ہوتا۔ سنتے ہیں کہ پرانے زمانے میں لوگوں پر پریوں کا سایہ ہو جاتا تھا تو اس سائے کے اثر سے نکلنا آسان نہ ہوتا تھا۔ مجھے لگتا ہے کہ باقرؔ زیدی پر غزل کی پری کا سایہ ہو گیا ہے جو اپنی تمام حشر سامانیوں، فتنہ انگیزیوں اور جلوہ آرائیوں کے ساتھ ان کے دل و دماغ اور ہوش وحواس پر اس طرح چھا گئی ہے کہ اب انہیں اس پری کے سوا دنیا کی کوئی رنگینی بھی اپنی طرف متوجہ نہیں کرتی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کے قلم سے اس طرح کے اشعار کیسے نکلتے۔

آپ جو چاہیں وہ سمجھ لیجے ۔۔۔ میری تو روح کی غذا ہے غزل

دوسری مے اسے نہیں بھاتی ۔۔۔ پی کے نکلا ہو جو شرابِ غزل

ایسے بھی ہیں غزل کے دیوانے ۔۔۔ دن غزل سے شروع، رات غزل

نشے سب ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں ۔۔۔ پر اترتا نہیں خمارِ غزل

ہم کو حاصل رہا نیازِ غزل ۔۔۔ ہم اٹھاتے رہے ہیں نازِ غزل

باقرؔ خوش سخن کی جان ہے یہ ۔۔۔ دل کو رکھتی ہے باغ باغ غزل

پہلے تو صرف دل لکھاتا تھا ۔۔۔ اب تو کہتا ہے انگ انگ غزل

وقت اس کا نہیں کوئی مخصوص ہم تو لکھتے ہیں سارا سال غزل

ان دلوں سے کبھی نہ نکلے گی جن میں خوں کی طرح رواں ہے غزل

ہم بھی باقرؔ اسی کے شیدا ہیں ہم وہاں ہیں، جہاں جہاں ہے غزل

دل کی دنیا ہی اس کا مرکز ہے اسی نقطے کا دائرہ ہے غزل

بن گئی ہے وجود کا حصہ شیرِ مادر کی طرح پی ہے غزل

لیکن مجھے اس بات کا یقین ہے کہ باقرؔ زیدی اپنے اس مشورے پر کبھی عمل نہیں کریں گے جو انہوں نے خود اپنے آپ کو دیا ہے۔

بہت اشعار لکھ چکے باقرؔ
آپ اب کیجئے تمام غزل

میری غزلوں سے ٹپکتا ہے مرے دل کا لہو
حالِ دل کہہ نہیں سکتا تو غزل کہتا ہوں

علامہ تجمل آفندی

عاشقِ غزل باقرزیدی

محترم قارئین۔سلام مسنون

بعض لوگوں کو بعض کاموں کے لئے بعض دوستوں سے بعض حالات میں انکار کرنا اس لئے بھی دشوار ہوتا ہے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں اور انجامِ کار وہ کام کرنا ہی پڑتا ہے۔ ہم بھی ایسے ہی بعض لوگوں میں اور باقرزیدی بھی ایسے بعض دوستوں میں ہیں۔اس صورتِ حال سے واقف ہونے کے باوجود بھی ہم نے شدت سے تو انکار نہیں کیا اور تکلفاً بھی نہیں بلکہ اپنی بے مائیگی کو پیشِ نظر رکھتے ان کی شعر گوئی پر عذر داری کی کوشش ضرور کی۔ یہ انکار شدت سے اس لئے نہیں کیا گیا کہ اس عمر میں ہمارے قویٰ اتنے مضمحل ہو چکے ہیں کہ دوستوں کی خفیف سی رنجش کا خدشہ بھی ناقابلِ برداشت ہو گیا ہے۔کراچی اور نیوجرسی سے ہجرتوں نے ہمیں اتنا کمزور کر دیا کہ دل میں کسی دوست کے فراق کا خیال بھی اذیت ناک ہے۔اب ایسا کوئی نیا زخم سہنے کی جگر میں تاب وتواں نہیں۔ ماہرؔالقادری مرحوم کا ایک شعر شائد اس کی عکاسی کر سکے ؎

تم کسی بچھڑے ہوئے دوست کا غم کیا جانو
تم نے پرچھائیں بھی دیکھی نہیں تنہائی کی

ہوسکتا ہے کہ یہ شعر ہمیں ٹھیک سے یاد نہ ہو مگر مفہوم یہی تھا۔ بے مائیگی کے اظہار میں دو سبب تھے۔ اول یہ کہ ہم واقعی ادب سے اتنا بہرہ نہیں رکھتے کہ ان کی اتنی وقیع کتاب ''نگار خانۂ غزل'' پر واقعی کوئی خاطر خواہ تبصرہ کرسکیں۔ دوسری بات یہ تھی کہ ہمارا کوئی نام، نہ شہرت، نہ ہم کسی ادبی جریدے سے منسلک نہ اخبار سے ایسے میں اگر ہم اپنے زورِ قلم سے انہیں دربارِ ادب میں کسی پنج ہزاری نشست پر بٹھا بھی دیں (جس کا ان کو استحقاق بھی ہو) تو بھی کسی کے کان پر جوں بھی رینگنے والی نہیں اور سوائے اس کے لوگ ہم پر قد آوری کے شوق کا جھوٹا الزام تراشیں۔ یا ان سے شکوہ کریں کہ آپ کو کیا ضرورت تھی شہابؔ کاظمی سے مضمون لکھوانے کی۔ علامہ طالبؔ جوہری سے لکھواتے، ڈاکٹر ضمیرؔ اختر نقوی سے لکھواتے، افتخارؔ عارف بھی اس کے لئے کچھ نہ کچھ شوق سے لکھ دیتے۔ ان کو کوئی فائدہ ہوتے نظر نہیں آتا۔ ان سب باتوں کے علاوہ ہماری آمادگی کا ایک سبب اور بھی تھا۔ وہ یہ کہ اگر آپ ماضی میں کسی جرم کے مرتکب رہ چکے ہیں تو آپ کو اس جرم یا اس جیسے جرم پر دوبارہ آمادہ کرلیا جانا بھی کوئی مشکل کام نہیں۔ ہم چونکہ ان کی کتاب 'لذتِ گفتار' پر خامہ فرسائی کے جرم میں ملوث رہ چکے تھے اس لئے بھی اپنے انکار میں کوئی جان نہیں ڈال سکے اور یہ بھی کہ یہ کوئی یزید کی بیعت سے انکار کا مرحلہ تو تھا

نہیں۔ یہ تو دوستوں کے درمیان تجدیدِ وفا کا اقدام تھا۔ خیر، تمہید میں اتنی طویل لفاظی کے بعد ہمیں یقین ہے عزیز قارئین سے یہ حسنِ ظن ہے کہ وہ سمجھ گئے ہوں گے کہ آئیندہ سطور میں بھی کوئی بہت طویل و وقیع مضمون پڑھنے کو نہیں ملے گا۔ قارئینِ کرام پر ہمارا یہ حسنِ ظن کوئی نیا نہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ہماری پندرہ کتابوں میں سے کسی پر بھی کسی باوزن قد آور یا بے وزن کم قامت کا تبصرہ بھی ہم نے اس لئے شامل نہیں کیا کہ ہمیں اپنے قارئین پر اُن سے زیادہ اعتماد اور بھروسہ ہے۔ اگر مضمون کی بے وقعتی کے بارے میں کوئی غلط فہمی ہے تو ابھی سے ازالہ کرلیا جائے کہ کہا جاتا ہے کہ مرض بڑھ جائے تو علاج طولانی اور امکانِ شفا کم ہوجاتا ہے۔ ان حوصلہ شکن باتوں کے پس منظر میں ہمارے سامنے امامِ عالی مقام کی حدیث ہے جس کا مفہوم اگر آپ کی توقعات زیادہ ہوں اور حصول کم ہو تو رنج کا باعث ہوتا ہے لیکن توقعات کم ہوں اور حصول زیادہ تو باعثِ خوشی ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک آپ کی خوشی مقدّم ہے رنج نہیں۔

جب ۹۷-۱۹۹۶ء میں باقرؔ زیدی کی ’’لذتِ گفتار‘‘ شائع ہوئی تھی تو اس وقت ہم نے ایک قطعۂ تاریخِ اشاعت کہا تھا جو اپنی حیثیت میں باقرؔ زیدی کی شاعری پر مختصراً منظوم تبصرہ تھا۔ اس کے علاوہ اُس کتاب پر

لکھنے والوں میں ہمارے علاوہ ادب کے بہت سے ''مہا دیو'' قسم کے لوگ بھی تھے۔مثلاً چند نام یہ ہیں۔ڈاکٹر سعادت سعید۔ڈاکٹر اسلم فرخی۔سحر انصاری اور تابش دہلوی مرحوم۔ان کے علاوہ جو نام ہیں وہ اگر چہ ''مہا دیو'' تو نہیں مگر وہ بھی قامت میں ''پتی دیو'' ضرور ہیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا مرحوم کا کوئی مضمون تو اس پر نہیں لیکن گرد پوش کے فلیپ پر لکھی گئی عبارت سے اقتباس نقل کر کے آگے بڑھتے ہیں۔وزیر آغا کہتے ہیں:

''انہوں نے نئے زمانے کے اتار چڑھاؤ کو نظر انداز نہیں کیا اور مستعمل لفظی پیکروں کو نبض کی بدلتی ہوئی رفتار سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی ہے یہ ایک اہم پیش رفت ہے'' وہ یہ بھی فرماتے ہیں ''باقر کی غزلیں پڑھتے ہوئے پہلا تاثر یہ مرتب ہوتا ہے کہ وہ کسی پُرسکون جھیل کی شفاف سطح پر رواں ہیں مگر کچھ ہی دیر بعد ایک اور تاثر یہ مرتب ہوتا ہے کہ ان کے ہاں جھیل کے سفر کو سمندر کے سفر میں تبدیل کر لینے کا واضح میلان موجود ہے''۔

''لذتِ گفتار'' کے اوراق سے ڈاکٹر سعادت سعید کے مضمون ''خیالات کا بہتا دریا'' سے یہ اقتباس مختصراً نقل کیا جاتا ہے۔

باقر زیدی کی غزلیں تزئینِ خیال اور حُسنِ بیان کے امتزاج کا نتیجہ ہیں۔انہیں قرطاس و قلم پر بٹھائی جانے والی قدغن پسند نہیں آتی۔ وہ اس

رویے کے خلاف علمِ احتجاج بلند کرتے ہیں اور زنجیر کی صدا میں نغمۂ حُریت کا ادراک کرتے ہیں۔ ہم یہاں جناب سحرؔ انصاری کے مضمون سے بھی چند سطور نقل کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔ فرماتے ہیں۔ ''باقرؔ زیدی نے تہذیبی اور نفسیاتی کیفیات کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کے معاشرتی اور سیاسی حقائق سے اپنا ذہنی رشتہ استوار رکھا ہے وہ اگرچہ اپنی روایات کے منطقہ سے جغرافیائی طور پر دور ہیں لیکن ان کے تخلیقی سفر میں وہ نشیب وفراز بھی برابر آتے ہیں جس سے زندگی کے موسموں کی پیمائش کی جاسکتی ہے''۔ اسی طرح تابشؔ دہلوی مرحوم اپنے مضمون ''لطیف جذبوں کا شاعر'' میں یوں رقم طراز ہیں ''باقرؔ زیدی کی شاعرانہ صلاحیتوں کا سراغ لگانا زیادہ مشکل نہیں۔ وہ اپنی شعری صلاحیتوں کا اظہارِ غمِ جاں اور غمِ جاناں کے وسیلوں کے علاوہ حیات اور ماورائے حیات کے مسائل کے ذریعے بھی کرتے ہیں اور اس اظہار کے لئے ان کے استعارے اور تشبیہیں نہایت دلکش اور سادہ ہوتی ہیں۔ ثقیل الفاظ ان کی لفظیات کی فہرست میں نہیں۔'' قارئینِ کرام یہ اقتباسات بہت مختصر ہیں مضمون نگاروں نے بہت کچھ لکھا ہے کہ دل تو چاہتا ہے کہ پورے کے پورے مضامین reproduce کردیں اور ہم آخر میں ''والسلام'' کہہ کر آپ سے اجازت لیں۔ مگر ہم یہ کر نہیں سکتے۔ آخر ہمیں

باقرؔ زیدی سمیت دوستوں کو منہ دکھانا ہے۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ آپکی جان ہماری خامہ فرسائی کہیئے کہ ہرزہ سرائی سے چھوٹ گئی ہے تو آپ غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور ''ہنوز دلی دور است'' والا معاملہ ابھی درپیش ہے مگر اب دلّی بہت زیادہ دور بھی نہیں مندرجہ اقتباسات کی روشنی میں اگر آپ کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے تو آپ جانیں اور آپ کا کام ہمارا جو کام تھا وہ ہم نے کرنے کی پوری کوشش کی ہے اور جو رہی سہی کسر باقی ہے وہ آپ کو اگلی سطور میں نظر آسکے گی اور وہی ہمارے دل کی بات ہوگی۔ مندرجہ بالا اقتباسات تو آپ کو مرعوب کرنے کے لئے نقل کئے گئے ہیں ورنہ ان میں میرا دخل کیا ہے میرے خیال میں آپ ان بدگمانوں میں نہیں جو یہ سوچتے ہوں کہ یہ مضامین ان مضمون نگاروں نے لحاظ مروت میں لکھ دیئے ہیں۔ جیسا میں بعض کتابوں پر مضامین دیکھ کر سوچتا ہوں۔ اگر آپ راز داری کا وعدہ کریں یا نہ بھی کریں تو کچھ فرق نہیں پڑتا۔ ہمیں بدقسمتی سے جناب مشیرؔ علوی کی کتاب ''کوہِ ندا'' تبصرے کے لئے موصول ہوئی۔ اس پر جناب قیصر تمکین (جن کا نام ہم اپنے بچپن سے سنتے تھے) کا تقریظی مضمون درج تھا۔ ان کے مضمون سے لگتا تھا کہ ''مشیر علوی'' سے بڑا کوئی شاعر دنیا میں نہیں۔ کتاب پڑھی تو لگا کہ Originality کہیں نام کو بھی

نہیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ موصوف قیصرؔ تمکین مشیرؔ علوی کے برادرِ بزرگ ہیں۔ مشیرؔ علوی کے ساتھ قیصرؔ تمکین کا image بھی برباد ہوگیا۔ گھبرایئے نہیں یہاں کوئی ایسا نقشہ نہیں ہے۔ بلکہ میرے خیال میں ان حضرات نے کسی مبالغے سے وہاں بھی کام نہیں لیا جہاں امکان تھا۔ اب ہم یہاں ''لذتِ گفتار'' میں لکھے ہوئے اپنے مضمون سے چند سطریں نقل کرتے ہیں۔ ''باقرؔ زیدی کے اندر بچپن سے ایک شاعر موجود تھا مگر غم ہائے روزگار نے انہیں اُسے پسِ نقاب رکھنے پر ایک طویل مدت تک مجبور رکھا۔ ہوسکتا ہے کہ شاعروں کے ساتھ زمانے کی مجرمانہ اور ناقدر شناسانہ سلوک اس کا سبب ہو'لذتِ گفتار'میں مختلف المزاج مختلف الادوار غزلوں کو دیکھ کر میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ باقرؔ زیدی نے شعر کہے بغیر ہر دور میں اپنی شاعرانہ صلاحیتوں پر جلاکاری کے عمل میں بچپن سے تادمِ آغاز غفلت نہیں برتی۔ کوئی کیا جانے ''حکیم عطا'' نے مہِ نخشب کی تخلیق میں کتنی عمر پسِ پردۂ زنگاری صرف کی تھی'' ہم نے باقرؔ زیدی کے بارے میں اس وقت (1997) میں جو پیش گوئی کی تھی وہ ہمارے اندازوں کی بنیاد پر تھی۔ یہ ان کی پہلی کتاب تھی۔ شاعری کا آغاز تھا۔ لیکن اتنے سالوں میں باقرؔ زیدی کے کلام سے آشنائی کی بنیاد پر آج ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے سب

اندازے درست تھے۔ باقر زیدی انتہائی پُر گو شاعر ہیں جب ان کا قلم چلتا ہے تو ردیف وقافیہ کی رعایت سے جو مضامین سامنے آتے ہیں شعر میں ڈھلتے جاتے ہیں نہ یہ تھکتے ہیں اور نہ ان کا قلم۔ ہوسکتا ہے اس طویل عمر کی خامشی کا قرض اتارنے کی فکر ہو جو انہوں نے بغیر شعر کہے گزاری۔ ان کے اشعار جس سرعت سے تخلیق پاتے ہیں اس سے اندازہ لگا کر اگر ہم یہ کہیں تو بے جا نہ ہوگا کہ باقر زیدی کا یہ قرض ابھی بہت مدت تک ادا ہونے والا نہیں لگتا۔ کربلائی ادب کے علاوہ ہم نے ان کا تازہ ترین مجموعہ غزل ''نگار خانۂ غزل'' بھی مطالعہ کیا ہے۔ اگر کسی نے ان کا ہاتھ نہ پکڑا ہوتا تو اس مجموعے میں ہر غزل میں آٹھ دس شعر کا اضافہ ان کے لئے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ باقر زیدی نے یہ مجموعہ ایک خاص نظریے اور مہم جوئی کے انداز میں تیار کیا ہے اگر چہ مجموعہ خالصتاً غزل اور اس کے متعلقات سے گفتگو کرتا ہے پھر بھی اس میں دیگر مضامین وموضوعات قلم بند ہوگئے ہیں اور اُن میں ردیف ''غزل'' غزل سے الگ ہوکر ایک استعارہ بن گئی ہے۔ ہم اور اکثر شعراء کے لئے کسی ایک ردیف میں غزل لکھنے کے بعد اسی ردیف میں نئی غزل لکھنے میں دشواری ہوتی ہے ردیف ''غزل'' رکھ کر ہم نے ایک بار غزل کہنے کی کوشش کی تو گاڑی دس بارہ شعر کے بعد نہ بڑھ سکی ان کے اس مجموعے

میں اگر اور کسی بات پر ان کی ہمت کی داد نہ بھی دی جائے تو اس ندرت پر تو
زبردست داد دینا ہی پڑے گی (اور ہم یہ دعویٰ بلا خوفِ تردید کر رہے ہیں)
کہ یہ شعروادب کی دنیا میں کسی نے ابتدائے شعر گوئی سے آج تک غزل کی
ردیف میں اتنی تعداد میں غزلیں نہیں کہی ہیں بلکہ یہ تعداد شاید کسی کے یہاں
بھی ابجد کے اعداد سے زیادہ نہ ملے گی۔ جیسے کسی بھی شاعر کے یہاں پوری
کی پوری غزل سلوتر نہیں ہوتی، کوئی شعر اچھا، کوئی بہت اچھا اور کوئی شعر کمزور
ہوتا ہے ویسے ہی ان غزلوں کا حال ہے۔ اچھا، بہت اچھا اور کمزور۔ ہاں یہ
کہا جاسکتا ہے کہ کسی اور پر اس قسم کا شوق بھی سوار نہیں تھا جس سے
باقرؔ زیدی دوچار تھے۔ یہ مہم جوئی باقرؔ نے کیوں اختیار کی یہ تو نہیں معلوم لیکن
ہوسکتا ہے کہ کسی معشوقِ درپردہ زنگاری نے کسی وعدۂ فردا پر ''کہ یہ کر کے
دکھاؤ گے تو اس کا یہ انعام ہوگا'' اس مہم پر ابھارا ہوگا۔ جیسے حُسن بانو کے
سات سوالوں کے جوابات والا معاملہ تھا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اُس معشوق
نے بھی صرف سات غزلوں کی فرمائش کی ہو اور بندۂ خدا نے، خدائے
لم یزال کی صفت کو سامنے رکھ کر ایک غزل کے بدلے ستر اور سات غزلوں
کے بدلے اتنی ڈھیر ساری غزلیں کہہ ڈالیں۔ یا یہ ہوسکتا ہے کہ سوچ یہ ہو
کے اگر یہ سات اچھی نہ لگیں تو یہ سات اور یہ ساتھ اچھی نہ لگیں تو سات اور

حتیٰ کہ یہ ضخیم مجموعہ تیار ہو گیا ہو۔ اب یہ الگ بات ہے کہ وہ وعدہ وفا ہوا کہ نہیں لیکن ان کا یہ مجموعہ ضرور مکمل ہو گیا۔ یعنی کچھ بھی ہو ان کے لئے کسی طرح بھی خسارے کا سودا نہیں رہا۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ Retirement کے بعد آدمی کو وقت گزاری کے لئے کوئی مشغلہ بھی تو چاہئے ہے یہ غالبؔ کی طرح غیر فعال آدمی نہیں کہ۔

دل ڈھونڈھتا ہے پھر وہی فرصت کے چار دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے

آخر پوتے پوتیوں نواسے نواسیوں کے ساتھ کوئی کہاں تک دل بہلا سکتا ہے خصوصاً جبکہ فطرتِ فیاض نے اسے شعر گوئی کے ہنر سے پوری طرح نوازا بھی ہو۔ والسلام

شہابؔ کاظمی جرولی

ایم اے اردو ادب۔ کراچی یونیورسٹی

مقیم مشی گن امریکہ

12-04-2015

حرفِ ناگزیر

غزل از ابتداء تا دمِ تحریر اپنی خوش خرامی اور حُسن آفرینی کی وجہ سے اردو شاعری کی مقبول ترین صنفِ سخن ہے۔ خود اس کتاب کے مصنف، ہمارے عہد کے پختہ گو شاعر باقر زیدی نے تاریخِ غزل، بے انتہا محنت سے لکھتے ہوئے اپنی بات کو غزل کی بات کہہ کر یقین دلا دیا ہے کہ وہ غزل کے حلقۂ اثر میں کس حد تک اور کہاں تک ہیں۔ انہوں نے رواروی میں ایک مصرعہ کہا جو اِس کتاب کی تخلیقی اساس بنا۔ ''مجھ سے پوچھو ذرا کہ کیا ہے غزل'' یہ سوال اُن کی تحسین آمیز فکر نے تراشا اور جواباً اپنے ریاض سے کام لیا۔ یوں نگار خانۂ غزل کی ترتیب دیتے ہوئے تین ابواب قائم کیے جن میں نگارِ غزل، دارِ غزل اور دیارِ غزل ہیں۔

پہلے حصے میں ۶۵ غزلیں ہیں جو لفظِ غزل پر ختم ہوتی ہیں۔ عمومی روش سے ہٹ کر باقر زیدی نے قافیے کے آخری حرف یعنی الف سے 'ے' تک کا سفر انتہائی عرق ریزی سے طے کیا اور اردو شاعری میں اپنی نوعیت کا پہلا دیوان مرتب کرنے کی کامیاب سعی کی، باقی دونوں ابواب میں ۷۰ اور ۲۳ غزلیں شامل ہیں جو بہت قلیل عرصے میں کہی گئی ہیں۔ یہ جدت طرازی

صاحبانِ نقد و نگاہ کس حد تک قبول کرتے ہیں یہ فیصلہ وقت کرے گا۔ باقر زیدی زود گو اور شعوری طور پر لفظوں کے انتخاب میں خاص ارتکاز سے کام لیتے ہیں۔

وہ معتقدِ میر یوں بھی ہیں کہ بے بہرہ نہیں ہیں، میر کی شعری عظمت کے بے انتہا قائل ہوتے ہوئے بھی غزل نگاری میں وہ غالب کی شوخ بیانی کے بڑے مداح ہیں اور شاید یہ ہی شوخی فطری طور پر نئے مفاہیم کے ساتھ ان کی غزل میں در آتی ہے۔

اَدبُ القدما کے مطالعے نے اُنہیں کسی حد تک روائتی رکھا، لیکن وہ اپنے عہد کے تقاضوں اور جدید لہجوں کو برتتے ہیں اور معترف بھی ہیں۔ اِس ضمن میں بے شمار شعر میرے حافظے اور مطالعے میں ہیں مگر میں مضمون کی طوالت سے گریز اختیار کرتے ہوئے یہاں تحریر نہیں کر رہا، یقیناً زیرِ نظر کتاب آپ کی تشفی کے لئے کافی ہے۔ ان کی شاعری قدیم اور جدید آہنگ کی آئینہ دار ہے۔ آپ میری اس بات کی تصدیق فرمائیں گے کہ وہ اِس بات کا دھیان خوب رکھتے ہیں کہ شعری جمالیات مجروح نہ ہونے پائیں۔

عشقیہ اور فکریہ شاعری میں موضوعات کا اشتراک ہی اُن کی غزل کو اِس طرح متحرک رکھتا ہے کہ غزل خود غزل سرا نظر آتی ہے۔ باقر زیدی اپنے

جمالیاتی حس کے اظہار میں بے پناہ قادر ہیں، اسی طرزِ نگارش کو ان کا اسلوب قرار دیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے شاعری دیر سے شروع کی مگر دُور تک جانے والی، اور دیر تک رہنے والی شاعری کی۔ اُن کی طبعِ رواں نے ہر صنفِ سخن کو تابانی دی۔ میں ذاتی طور پر قوی اُمید رکھتا ہوں کہ اُنہیں کسی طور کسی عہد میں نظر انداز نہیں کیا جا سکے گا۔ باقرؔ زیدی کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے چھوٹوں سے بھی مشاورت کرتے ہیں اور ہر قابلِ قبول بات کو کبھی رد نہیں کرتے، ذرّوں سے انکساری سیکھنے والے اِس شخص کو اس عمل نے آسمان وقار کر دیا ہے۔ یہ ہی ان کی کامیابی اور کامرانی کا سبب بھی ہے۔

ڈاکٹر تقیؔ عابدی اور پروفیسر حسن سجاد نے اپنی دلپذیر تحریروں سے اِس کتاب کو اور زیادہ معتبر بنا دیا ہے۔

خدا کرے، وہ تا دیر سلامت رہیں اور یوں ہی ہمیشہ اپنے قاری کو احساس دلاتے رہیں کہ کتاب اپنی افادیت کے لحاظ سے انسان کی سب سے بڑی دوست ہے۔

سید ساجدؔ رضوی

۲۵ / نومبر ۲۰۱۵ء

حیدرآباد (سندھ)

سیمابؔ حرف حرف اترتا ہے عرش سے
میری بیاضِ شعر خدا کی کتاب ہے

سیمابؔ اکبرآبادی

نگارخانۂ غزل میں ''دیوان'' کی نئی صورت

اس وقت میرے سامنے برادرِ بزرگ باقر زیدی کی غزلوں کی نئی کتاب ''نگارخانۂ غزل'' کا مسودہ ہے نگارخانہ غزل تین حصوں پر مشتمل ہے۔اس کتاب کے پہلے حصے ''نگارِغزل''میں 65 غزلیں ہیں۔ دوسرے حصے ''دارِ غزل'' میں 23 غزلیں اور تیسرے حصے 'دیارِ غزل'' میں 70 غزلیں ہیں۔

باقر زیدی نے اساتذہ کے قائم کردہ ردیف کے آخری حرف کے لحاظ سے دیوان مرتب کرنے کے اصول سے ہٹ کر قافیہ کے آخری حرف کے لحاظ سے دیوان مرتب کرنے کی سعی کی ہے۔اس پر وہ لوگ گفتگو ضرور کریں گے جو علم وفن پر گفتگو کے لئے مجلسی علم کے دلدادہ ہیں۔

باقر زیدی نے نگارِ غزل میں قافیوں کی تنگی کے باوجود کمال کی شاعری کی ہے۔اس پر یقیناً اہلِ علم وفن نے گفتگو کی ہوگی اور آئندہ بھی کی جائے گی۔

برادرِ بزرگ باقر زیدی صاحب کا مطالعہ بھی وسیع ہے اس لئے ان کی وسعتِ فکر میں الفاظ کی بہتات ہے اس لئے قافیے ان کی وسعتِ فکر میں ہمہ وقت موجود رہتے ہیں اور انہوں نے اسے ردیف کے لحاظ سے خوب برتا ہے۔

برادرِ بزرگ باقرؔ زیدی نے قافیہ کے آخری لفظ کے لحاظ سے دیوان مرتب کرنے کی اچھی کوشش کی ہے۔مگر غالبؔ ،میرؔ ،آتشؔ ،دردؔ ،ناسخؔ وغیرہم جیسے اساتذہ کے معین کردہ اصول سے ہٹ کر باقرؔ زیدی کا ردیف کے آخری حرف سے ہٹ کر قافیہ کے آخری حرف کے لحاظ سے دیوان مرتب کرنا کہاں تک کامیاب ہے۔اس کا فیصلہ صاحبانِ فکروفن کی گفتگو کے بعد تاریخِ ادب خود کرے گی۔

ہم باقرؔ زیدی کی اس کتاب کے پہلے حصے ''نگارِغزل'' میں قافیہ کے لحاظ سے دیوان مرتب کرنے کی کاوش پر مبارکباد دیتے ہیں۔اس دیوان میں ردیف کا آخری لفظ غزل ہے۔گویا ہر غزل،غزل ہی غزل کی آئینہ دار ہے۔ دیوان کی صورت سے ہٹ کر، قافیوں کی تلاش، مضمون آفرینی ، انگریزی الفاظ کا اردو غزل میں اضافہ، محاورے ، زبان،ضرب الامثال باقرؔ زیدی کی غزل میں فکرِسخن اور وسعتِ فکر کی آئینہ دار ہیں۔

''نگارخانۂ غزل'' کا دوسرا حصہ ''دارِغزل'' ہے۔دار عربی کے معنی کے لحاظ سے لیا گیا ہے۔یعنی خانہ، مکان۔اور باقرؔ زیدی نے یہ نام فارسی ترکیب کے لحاظ سے انتخاب کیا ہے۔میرا خیال ہے کہ پاک وہند میں اور پاکستان میں شروع شروع میں عربی ،فارسی، نصاب میں شامل تھی جو ۱۹۷ء

تک قائم رہی۔اس کے بعد فارسی، عربی، نصابِ تعلیم میں نہیں رہیں۔

دار عربی زبان میں دار الشفا۔دار الصحت، دار الامان، کی ترکیب سے استعمال ہوتا ہے۔عربی زبان کی اس ترکیب کے لحاظ سے اس حصہ کا نام دار الغزل ہونا چاہئے تھا مگر باقر زیدی کا مزاج فارسی ترکیب کا دلدادہ ہے اس لئے باقر زیدی نے اس حصہ کا نام دارِ غزل رکھا ہے۔

باقر زیدی نے ان غزلوں میں زیادہ تر غزل کا لفظ استعمال کیا ہے اور تقریباً ہر شعر میں اس لفظ کی حرمت کا خیال رکھا ہے۔اسی لئے اس حصہ کو غزل کے مکان سے تعبیر کیا ہے۔اس حصہ میں جو غزلیں ہیں وہ اسی پیرائے میں کہی گئی ہیں جو ''نگارِ غزل'' کا ہے۔فرق یہ ہے کہ ''نگارِ غزل'' میں قافیے کے لحاظ سے دیوان ترتیب دیا گیا ہے اور غزل کا لفظ ردیف کا آخری لفظ ہے۔لیکن ''دارِ غزل'' میں لفظ غزل تقریباً ہر شعر میں کہیں بھی نظم ہوا ہے۔ معنوی لحاظ سے بھی غزل کو مختلف طرز اور زاویوں سے نظم کیا ہے۔ یہ باقر زیدی کی وسعتِ فکر میں الفاظ کے ذخیرے کا کمال ہے کہ وہ آسانی سے کسی مضمون کو نظم کر لیتے ہیں۔

باقر زیدی کی چشمِ بینا حُسنِ غزل پر تنقید کی قائل نہیں ہے۔غزل کا کیسا ہی رنگ وروپ ہو۔غزل کا رسیا شاعر اس پر تنقید برداشت نہیں کر سکتا

ہے۔ حُسن کا لفظ صرف صورت کے ساتھ نہیں۔ بلکہ حُسنِ سیرت، حُسنِ کردار، حُسنِ عمل، حُسنِ نظر، حُسنِ خیال، حُسنِ بیان، حُسنِ کلام وغیرہم کے ساتھ بھی آتے ہیں۔ اگر کسی غزل میں یہ تمام حُسن بدرجہ اتم موجود ہوں تو پھر تنقید کوئی کیا کرسکتا ہے۔ غزل کے اس شہر پر تنقید کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ حُسنِ غزل کو شاعر کی چشمِ بینا دیکھ رہی ہے، نقاد کی چشمِ ظاہر نہیں۔ کیونکہ میں تنقید نگار نہیں ہوں۔ ایک طالب علم ہوں اس لئے اس حصے میں جو اشعار مجھے پسند ہیں ان میں سے کچھ لکھ رہا ہوں۔ جن سے صاحبانِ فکر و فن ضرور محظوظ ہوں گے۔

بارِ احساں کب اُٹھایا ہے کسی اُستاد کا
ہے مرا ذوقِ سخن ورثہ مرے اجداد کا

☆☆☆☆☆

شکر ہے اب بھی ربط باقی ہے
سجدہ گاہوں کا اور جبینوں کا

☆☆☆☆☆

وہ جس میں علم و ہنر نہیں تھا وہ بے ہنر کامیاب نکلا
کہیں بھی جس کی جگہ نہیں تھی وہ ہر جگہ باریاب نکلا

جس پر کسی حسین کا حُسنِ نظر ہوا
وہ بزمِ مہ رخاں میں بڑا معتبر ہوا

☆☆☆☆☆

پہلی نظر تو آنکھ سے جاں میں اُتر گئی
پھر ایسا تجربہ نہ کبھی عمر بھر ہوا

اُس سورما نے رکھی قبیلے کی آبرو
اپنے لہو میں ڈوب کے جو معتبر ہوا

☆☆☆☆☆

اُس کا دنیا نے چین چھین لیا
جس نے چاہت کا اعتراف کیا
دوستوں ہی نے کام کر ڈالا
دشمنی کیلئے عدو نہ گیا

☆☆☆☆☆

سہانے خواب تھے تعبیرِ خواب دیکھوں تو
محبتوں کے چمن میں گلاب دیکھوں تو

برادرم باقر زیدی کی نئی کتاب ''نگار خانہ غزل'' کی اشاعت پر ہم

دل کی گہرائیوں سے انہیں مبارکباد دیتے ہیں۔امریکہ میں گیسوئے غزل سنوارنا کوئی آسان کام نہیں ہے جہاں جگہ جگہ سرِ عام غزل بربریت کا نشانہ بنتی نظر آتی ہے۔اس کتاب میں قارئین کو باقر زیدی کا حُسنِ نظر بھی نظر آئے گا اور حُسنِ کلام بھی۔

طالبِ دُعا

قمر اسعدی

۴؍دسمبر، ۲۰۱۵ء

نگارِ غزل

باقر زیدی

قطعۂ تاریخِ طباعت ''نگارِ غزل''

حُسنِ عالم ہے یہ نگارِ غزل
ربطِ باہم ہے یہ نگارِ غزل
آدمیت کی دیکھئے تصویر
جانِ آدم ہے یہ نگارِ غزل

۱۴۳۷ھ

نیّرؔ اسعدی

ترتیب
بابِ اول۔ نگارِ غزل

نمبر شمار			صفحہ نمبر
ا۔الف	حمد ہے، شکر ہے، ثنا ہے غزل	قافیہ ''الف''	100 الف
ا۔	مجھ سے سُنیے ذرا کہ کیا ہے غزل	قافیہ ''الف''	101
۲۔	دل شگفتہ ہے دل رُبا ہے غزل	قافیہ ''الف''	103
۳۔	کس قدر درد آشنا ہے غزل	قافیہ ''الف''	105
۴۔	شاخِ اردو پہ ہے گلاب غزل	قافیہ ''ب''	106
۵۔	حمد لکھتی ہے بے حساب غزل	قافیہ ''ب''	108
۶۔	کُھل کے برسے جہاں سحابِ غزل	قافیہ ''ب''	110
۷۔	اللہ اللہ آب وتابِ غزل	قافیہ ''ب''	111
۸۔	پُن غزل ہے، نہیں ہے پاپ غزل	قافیہ ''پ''	112
۹۔	اچھی ہوتی ہے ٹیپ ٹاپ غزل	قافیہ ''پ''	113
۱۰۔	تشنۂ فکر کو فرات غزل	قافیہ ''ت''	114
۱۱۔	نہیں رکھتی ہے مشکلات غزل	قافیہ ''ت''	116
۱۲۔	شہرِ دل تیرا راج پاٹ غزل	قافیہ ''ٹ''	118
۱۳۔	والی و وارثِ غزل	قافیہ ''ث''	120

۱۴۔	حُسن اور عشق کا مزاج غزل	قافیہ ''ج''	121
۱۵۔	اردو والوں کا ہے سماج غزل	قافیہ ''ج''	123
۱۶۔	اس لئے لکھ رہے ہیں ساچ غزل	قافیہ ''چ''	124
۱۷۔	فکرِ تازہ سے ہے مباح غزل	قافیہ ''ح''	126
۱۸۔	کبھی چھوٹی کبھی فراخ غزل	قافیہ ''خ''	128
۱۹۔	اردو والے ہیں خانہ زادِ غزل	قافیہ ''د''	129
۲۰۔	ہر جگہ ہے تری ڈیمانڈ غزل	قافیہ ''ڈ''	131
۲۱۔	معجزہ ایسا بھی ہو شاذ غزل	قافیہ ''ذ''	132
۲۲۔	مطلعِ عارضِ نگارِ غزل	قافیہ ''ر''	133
۲۳۔	شاعروں میں جو ہے شعارِ غزل	قافیہ ''ر''	134
۲۴۔	حُسنِ احساس کو تصویر بناتی ہے غزل	قافیہ ''ر''	136
۲۵۔	چاہنے والوں کی توقیر بناتی ہے غزل	قافیہ ''ر''	137
۲۶۔	فکرِ شاعر کا ہے پہاڑ غزل	قافیہ ''ڑ''	138
۲۷۔	کون سمجھے گا یہ پہاڑ غزل	قافیہ ''ڑ''	140
۲۸۔	مذہبِ شعر کی نماز غزل	قافیہ ''ز''	142
۲۹۔	ہم کو حاصل رہا نیازِ غزل	قافیہ ''ز''	143
۳۰۔	شعر کہتے ہیں صرف ژرف نگاہ	قافیہ ''ژ''	144

۳۱۔ ہم ترے مرتبہ شناس غزل — قافیہ ''س'' — 145
۳۲۔ زُہرہ وشوں سے یوں بھی گزارش ہے غزل — قافیہ ''ش'' — 146
۳۳۔ یہ ترا جوش اور خروش غزل — قافیہ ''ش'' — 147
۳۴۔ ہر بحر ہر ردیف میں خواہش بنی غزل — قافیہ ''ش'' — 148
۳۵۔ عام سی ہو کہ کوئی خاص غزل — قافیہ ''ص'' — 149
۳۶۔ جب دلوں پر کھلی بیاضِ غزل — قافیہ ''ض'' — 150
۳۷۔ لوگ کرتے ہیں احتیاطِ غزل — قافیہ ''ط'' — 151
۳۸۔ جب ہوئی فکر میں ملفوظ غزل — قافیہ ''ظ'' — 153
۳۹ روشنی بخش ہے شعاعِ غزل — قافیہ ''ع'' — 154
۴۰۔ دل غزل ہے کبھی دماغ غزل — قافیہ ''غ'' — 155
۴۱۔ اہلِ دل کا ہے اعتراف غزل — قافیہ ''ف'' — 157
۴۲۔ جو بھی ہوتی ہے خوش ردیف غزل — قافیہ ''ف'' — 159
۴۳۔ جس میں ہوتا ہے کچھ مذاقِ غزل — قافیہ ''ق'' — 160
۴۴۔ کیسے گزرے کسی پہ شاق غزل — قافیہ ''ق'' — 161
۴۵۔ جس کو کہتے ہیں تابناک غزل — قافیہ ''ک'' — 162
۴۶۔ وہ غزل اس کا انگ انگ غزل — قافیہ ''گ'' — 163
۴۷۔ ہجر ہے اور کبھی وصال غزل — قافیہ ''ل'' — 165

۴۸۔ وہ خوشی ہو کہ ہو ملال غزل	قافیہ ”ل“	167
۴۹۔ خوب ہے تیرا احترام غزل	قافیہ ”م“	168
۵۰۔ تیرا جاری ہے فیضِ عام غزل	قافیہ ”م“	170
۵۱۔ ہیں جو سیراب تشنگانِ غزل	قافیہ ”ن“	171
۵۲۔ اِک زمانہ ہے قدردانِ غزل	قافیہ ”ن“	173
۵۳۔ رونقِ بزمِ این و آں ہے غزل	قافیہ ”ن“	175
۵۴۔ سر بہ سر سرِّ دلبراں ہے غزل	قافیہ ”ن“	177
۵۵۔ رامشِ بزمِ دوستاں ہے غزل	قافیہ ”ن“	178
۵۶۔ ساری اصناف میں رواں ہے غزل	قافیہ ”ن“	180
۵۷۔ شعر کی قوتِ نمو ہے غزل	قافیہ ”و“	182
۵۸۔ پیکرِ حُسن مو بہ مو ہے غزل	قافیہ ”و“	183
۵۹۔ شاعری کا مظاہرہ ہے غزل	قافیہ ”ہ“	184
۶۰۔ چاہنے والوں کی ہے چاہ غزل	قافیہ ”ہ“	186
۶۱۔ وہی لگتی ہے سب کو پیاری غزل	قافیہ ”ی“	188
۶۲۔ کون کہتا ہے دشمنی ہے غزل	قافیہ ”ی“	189
۶۳۔ حمد سے کی ہے ابتدائے غزل	قافیہ ”ے“	190
۶۴۔ کیا بتائے کوئی بہائے غزل	قافیہ ”ے“	191
۶۵۔ وقف یہ کام ہے برائے غزل	قافیہ ”ے“	192

O

حمد ہے، شکر ہے، ثنا ہے غزل
عشق کو حُسن کی عطا ہے غزل

خوش عقیدہ ہے خوش نوا ہے غزل
فکر و احساس کی ضیا ہے غزل

حق کی شیدا ہے حق پہ مرتی ہے
حق تو یہ ہے کہ حق نما ہے غزل

نعت کے شعر خوب لکھتی ہے
واقفِ حقِ مصطفیٰؐ ہے غزل

مدحِ مولا علیؑ کے بارے میں
غالبؔ و میرؔ کی نوا ہے غزل

کہیں حُبِّ علیؑ غزل کا مزاج
کہیں بُغضِ معاویہ ہے غزل
ہے تغزل بھی کچھ سلاموں میں
ہم سخن تا بہ کربلا ہے غزل
چند حرفوں میں کائنات لیے
خوش بیانی کا معجزہ ہے غزل
ہے عزائے حسین میں بھی شریک
استعاروں میں کربلا ہے غزل

عشق کی ترجمان ہے تو یہ ہے
حُسن کی محرمِ ادا ہے غزل
دل کی دل دار، عشق کی ہے پکار
حرفِ گفتار ہے، نوا ہے غزل
سارے آدابِ عشق ہیں معلوم
عرضِ آداب میں بلا ہے غزل
سارے اندازِ حُسن جانتی ہے
عشق کی ترجماں بجا ہے غزل

ہر زمانے کا عکس ہے اس میں
قلبِ تاریخ کی صدا ہے غزل
گوشِ دل میں جگہ بناتی ہے
باقرِ خستہ کی نوا ہے غزل
شاعری تیری زندگی کے لیے
مستجاب ایک ہی دُعا ہے غزل
یہ جو باقرؔ نے آج لکھی ہے
انتہاؤں کی ابتدا ہے غزل

قافیہ: ''الف''

O

مجھ سے سُنئیے ذرا کہ کیا ہے غزل
پانچ صدیوں کا سلسلہ ہے غزل

شعر گوئی کی ابتدا ہے غزل
مِیؔر و غالبؔ کی انتہا ہے غزل

سب بزرگوں کا نور ہے اس میں
عہدِ خسروؔ سے خوش نوا ہے غزل

وہ قلیؔ شاہ وہ دکن کا ولیؔ
بھلے لوگوں کا راستہ ہے غزل

اس میں تہذیب ہے بزرگوں کی
ایک پورا معاشرہ ہے غزل

اس کے آہنگ میں ہے موسیقی
ساری اصناف سے جُدا ہے غزل

ساری دنیا میں ہے اثر اس کا
شہر در شہر جا بہ جا ہے غزل
جانے کتنے دلوں کی دھڑکن ہے
جانے کتنوں کی ہم نوا ہے غزل
اس کی آغوش ہے انہی کے لیئے
حرف بچے ہیں ماںتا ہے غزل
آپ باقرؔ غزل کے شاعر ہیں
آپ بتلایئے کہ کیا ہے غزل

O

دل شگفتہ ہے دل رُبا ہے غزل
گلشنِ حُسن کی فضا ہے غزل

خوش خرامی میں پا بہ پا ہے غزل
شعر خوشبو ہیں اور صبا ہے غزل

حُسن ہی حُسن ہے غزل میں تمام
خالقِ حُسن کی عطا ہے غزل

رہروی کے ہزار رستوں میں
اِک محبت کا راستہ ہے غزل

دیدۂ کور اس کو کیا دیکھے
چشمِ بینا کو خوش نما ہے غزل

شاد رکھتی ہے ہر نظر دل کو
چشم بددور چشمِ ما ہے غزل

آپ جو چاہیں وہ سمجھ لیجے
میری تو روح کی غذا ہے غزل

ملتی ہے فن کو روشنی اِس سے
دل میں جلتا ہوا دیا ہے غزل

یعنی خوش فکر شاعری کی اساس
ہے تغزل کا حُسن یا ہے غزل

حیرتی خود ہے آئینہ جس کا
حیرتوں کا وہ آئینہ ہے غزل

سیری ہوتی نہیں غزل سے کبھی
ایک پورا مشاعرہ ہے غزل

O

کس قدر درد آشنا ہے غزل
استعاروں میں کربلا ہے غزل

سب قدم سے قدم ملا کے چلیں
میرؔ و غالبؔ کا نقشِ پا ہے غزل

اس کے سوتوں سے نور پھوٹتا ہے
شمعِ احساس کی ضیا ہے غزل

فکرِ شاعر کی زندگی کے لیئے
اِک مہکتی ہوئی فضا ہے غزل

جو ادب کے ہیں ورثہ دار سُنیں
اپنی اقدار سے وفا ہے غزل

سُننے والے تو سب مسافر ہیں
شعر کشتی ہے ناخدا ہے غزل

قافیہ: ’’ب‘‘

O

شاخِ اردو پہ ہے گلاب غزل
نظمِ گلشن کا ہے نصاب غزل

منتظر ہیں سماعتیں کتنی
اِک ذرا چھیڑیئے جناب غزل

سب کی تسکینِ جاں کا باعث ہے
سب ہی سنتے ہیں شیخ و شاب غزل

آب ہی آب ہے جدھر دیکھو
نہیں ہوتی کہیں سراب غزل

اچھی لگتی ہیں شوخیاں اِس کی
عشق کا حُسنِ بے حجاب غزل

شب گزیدوں کے دامنِ دل میں
چودہویں شب کا ماہتاب غزل

نازکی ہے مزاج کا حصّہ
بحرِ اردو کا ہے حباب غزل
حرف و آہنگ میں ہے موسیقی
لے میں ڈوبا ہوا رباب غزل
میرؔ و غالبؔ کی مہربانی سے
بن گئی صنفِ لاجواب غزل
یہ بھی مصرع، غزل میں لکھ باقرؔ
ناسمجھ کے لیئے عذاب غزل

O

حمد لکھتی ہے بے حساب غزل
نعت کا جزوِ لاجواب غزل

منقبت مرثیے قصیدے میں
کرتی ہے مدحِ بوترابؑ غزل

اپنی شائستگی کے لہجے میں
ڈھونڈتی ہے رہِ صواب غزل

نیک و بد سب کو لے کے چلتی ہے
بے گناہوں کا ہے ثواب غزل

وہ غزل ہی کا ہو کے رہتا ہے
جس کو ہوتی ہے دستیاب غزل

جس جگہ دیکھیے غزل کی تلاش
ہر جگہ صنفِ کامیاب غزل

نہیں ہوتا جہاں غزل کا شعور
وہاں رہتی ہے ایک خواب غزل
عشق کی ابتدا سے تا انجام
سب سوالوں کا ہے جواب غزل
کوئی اچھی ہے کوئی کم اچھی
کبھی ہوتی نہیں خراب غزل
نوجواں شاعروں کی ہے توقیر (1)
وہ جو لکھتا ہے لاجواب غزل

ا۔ کراچی کا ایک نوجوان شاعر توقیر تقی

O

کُھل کے برسے جہاں سحابِ غزل
بن گیا ہے سبیلِ آبِ غزل

دوسری مے اُسے نہیں بھاتی
پی کے نکلا ہو جو شرابِ غزل

جب تلک ہے سخن کا باب کُھلا
بند ہوگا کبھی نہ بابِ غزل

ماشااللہ لکھنے والوں میں
ہیں بہت مہر و ماہتابِ غزل

کوئی مضمون چھوڑتی ہی نہیں
کھول کر دیکھ لو کتابِ غزل

اس سمندر کی کوئی تھاہ نہیں
کون رکھتا ہے پھر حسابِ غزل

یہ ابھی خیر سے لڑکپن ہے
آئے تب دیکھنا شبابِ غزل

O

اللہ اللہ آب و تابِ غزل
جگمگاتا ہے آفتابِ غزل

تب ہی محفل میں جان پڑتی ہے
جب کوئی چھیڑ دے ربابِ غزل

شاعری ہی اُسے نہیں آتی
جو نہیں جانتا نصابِ غزل

جس کی غزلوں میں ہو زباں کی مٹھاس
وہی ہوتا ہے کامیابِ غزل

اپنا اپنا مقام ہے سب کا
وہ غزل ہو کہ ہو جوابِ غزل

محفلوں اور مشاعروں کے لیئے
لوگ کرتے ہیں انتخابِ غزل

اِن سخن سنجیوں پہ بھی باقرؔ
کس نے جانا ہے اضطرابِ غزل

قافیہ: ''پ''

O

پُن غزل ہے نہیں ہے پاپ غزل
کیوں نہیں لکھ رہے ہیں آپ غزل

شعر بچے ہیں مائی باپ غزل
ایک کُنبے کا ہے ملاپ غزل

بیلنے پڑتے ہیں بڑے پاپڑ
نہیں ہوتی ہے اپنے آپ غزل

سامعیں تیرے انتظار میں ہیں
شاعرِ خوش بیاں الاپ غزل

سرد لہجے میں لپٹے گرم خیال
منہ سے نکلی ہوئی ہے بھاپ غزل

چرخِ ہفتم پہ خود کو دیکھتے ہیں
کوئی اخبار دے جو چھاپ غزل

عاشقوں کے قدموں کی ناپ نہیں
شاعروں کے قدوں کا ناپ غزل

وہ جو باقرؔ سنائی تھی تم نے
وہی ٹھہری ہے آج ٹاپ غزل

O

اچھی ہوتی ہے ٹیپ ٹاپ غزل
تجھ کو توفیق ہو تو چھاپ غزل

سارے جذبوں کی ہے امانت دار
ذات میں اپنی پُن نہ پاپ غزل

شمعِ احساس کو جلاتی ہے
نہیں اُڑتی ہے بن کے بھاپ غزل

کہیں گھونگھٹ ہے اور کہیں مکھڑا
فن کا فیتہ ہو گر تو ناپ غزل

چھاپنا ہے تو ناپ تول کے چھاپ
ایسی ویسی نہ کوئی چھاپ غزل

ماں سخن کی ہے تُو تو مریم سی
کوئی تیرا نہیں ہے باپ غزل

آج ہے دل اُداس باقرؔ کا
پھر کوئی ہم نشیں الاپ غزل

قافیہ: ''ت''

O

تشنۂ فکر کو فرات غزل
رونقِ بزمِ کائنات غزل

ہم نے دیکھا کتابِ الفت میں
شرحِ آیاتِ بیّنات غزل

تو نے صدیوں کے فیصلے بدلے
عام ہیں ایسے واقعات غزل

جانتی ہے نئے تقاضوں کو
کرتی رہتی ہے تجربات غزل

سادہ لفظوں میں سچی باتیں ہوں
یہ ہیں تیری توجّہات غزل

یہ تو مسجد بھی ہے کلیسا بھی
نہیں ہے صرف سومنات غزل

یہ نبھاتی ہے ساری عمر کا ساتھ
لوگ لکھتے ہیں تا حیات غزل

ایسے بھی ہیں غزل کے دیوانے
جن کی ہے ساری کائنات غزل

دوڑ ہے اِک غزل کے میداں میں
دیکھیں لگتی ہے، کس کی ہات غزل

منحرف اِس سے جو بھی ہوتا ہے
مارتی ہے پھر اُس کو لات غزل

چھو رہی ہے حدودِ کون و مکاں
تا بہ حدِ تحیّرات غزل

O

نہیں رکھتی ہے مشکلات غزل
سادہ سادہ کرے ہے بات غزل

دن تو اس کے ہیں عید کی مانند
رات کو ہے شبِ برات غزل

حُسن کے بانکپن کا روپ لیئے
آئینوں کے تحیّرات غزل

ہر سُخن اس کی رَو میں بہتا ہے
شاعری کی ہے کائنات غزل

سارے عالم کے مسئلوں پہ نظر
گھیرے بیٹھی ہے شش جہات غزل

ہر جگہ سرخ رُو ہی رہتی ہے
کہیں کھاتی نہیں ہے مات غزل

دن پیئے کیا ریاض کر ڈالا
ہوئی دنیائے خمریات غزل

سارے شیریں لبوں کے رس کا نچوڑ
شہد و شیر و شکر، نبات غزل

آیت اللہ[1] کی غزل دیکھو
خوب لکھتے تھے خوش صفات غزل

باقرؔ خوش سخن سے رکھتی ہے
جانے کیا کیا توقعات غزل

۱۔ آیت اللہ خمینی، رہبر انقلاب ایران۔

قافیہ: ''ٹ''

O

شہرِ دل تیرا راج پاٹ غزل
کوئی دیکھے تو تیرے ٹھاٹ غزل

لکھنے والوں کو موجۂ تخئیل
لے کے جاتا ہے گھاٹ گھاٹ غزل

تجھ پہ کافر بھی لائے ہیں ایماں
شاعری ہے کہ پوجا پاٹ غزل

سب تری زلف کے اسیر ہوئے
کوئی سیّد ہو یا ہو جاٹ غزل

اُس کے منہ سے کبھی نہیں چھٹتی
جس کو پڑ جائے تیری چاٹ غزل

تجھ کو لکھنے سے تجھ کو سننے سے
دل نہ ہوگا کبھی، اُچاٹ غزل

ہم نے دیکھے ہیں ایسے مضموں بھی
کہیں ریشم کہیں ہے ٹاٹ غزل

راگ رس رنگ کی فراوانی
تیرا گھر گھاٹ تیرا ٹھاٹ غزل
اُس کو حاصل نہیں شعورِ ادب
جو بھی کرتا ہے تیری کاٹ غزل
داد دیتا کوئی تو کیا دیتا
پڑھ گئے، آ کے وہ سپاٹ غزل
شوخیاں کم ہوئیں مزاجوں کی
کوئی کہتا نہیں ہے ہاٹ غزل
سب دلوں میں کیا ہے گھر تُو نے
سب گھروں میں ہے تیری کھاٹ غزل

قافیہ: ''ث''

O

والی و وارثِ غزل
ٹھہرے محدّثِ غزل

مری زبان کو ملا
میرؔ سا مورثِ غزل

اہلِ غزل نے سہہ لیئے
سارے حوادثِ غزل

خوب ہے جدّتِ سخن
مرحبا، حادثِ غزل

غالبؔ و میرؔ بن گئے
منصف و ثالثِ غزل

حُسنِ غزل کے باب میں
چھیڑو مباحثِ غزل

باقرِؔ نیک حال بھی
بن گیا باعثِ غزل

قافیہ: ''ج''

O

حُسن اور عشق کا مزاج غزل
اہلِ دل کے سَروں کا تاج غزل

نظم کا کیا جلے وہاں پہ چراغ
پا رہی ہو جہاں رواج غزل

حُسن والوں کے بیچ رہتی ہے
رکھتی ہے حُسن کا مزاج غزل

قندِ پارس کی ہے مٹھاس اس میں
رکھ رہی ہے زباں کی لاج غزل

خوش سخن میرؔ ہوں کہ مرزاؔ ہوں
دے رہی ہے اُنہیں خراج غزل

خوش مزاقی مزاج ہے اس کا
نہیں ہوتی ہے بد مزاج غزل

شوق ہی شوق کے ہیں ہنگامے
کب کسی کا ہے کام کاج غزل
عشق والوں کے کام آتی ہے
دردِ فرقت کا ہے علاج غزل
جانے باقرؔ کل اس کا کیا ہوگا
مان لیجے کہ کیا ہے آج غزل

O

جن حسینوں کے دل میں گھر کر لے
ان کی آنکھوں میں بولتی ہے غزل

O

اردو والوں کا ہے سماج غزل
کر رہی ہے دلوں پہ راج غزل

دل نشیں لفظ اور فکر بلند
حرف و معنی کا امتزاج غزل

دُکھ میں دارو کا کام دیتی ہے
یعنی لاتی ہے ابتہاج غزل

شائقینِ سخن کے شہروں میں
دل کی بستی کا ہے اناج غزل

پوری کرتی ہے قحط سالی میں
لکھنے والوں کی احتیاج غزل

اپنے شعروں میں فکرِ شاعر کا
کرتی رہتی ہے اندراج غزل

قافیہ: ''چ''

O

اس لیئے لکھ رہے ہیں سانچ غزل
بخشتی ہے دلوں کو آنچ غزل

شعر ڈھلتے ہیں ان کے قالب میں
تیری بحریں ہیں تیرے ڈھانچ غزل

صلح جوئی سے کام رکھتی ہے
نہیں کرتی کسی سے ٹانچ غزل

جانچ بندوں کی ہے کچھ اور مگر
رُتبۂ شعر کی ہے جانچ غزل

سچے اشعار دل کو لگتے ہیں
سچ تو ہے سانچ کو نہ آنچ غزل

ایک پل میں سمک سے تا بہ سما
شعر میں جب بھرے قلانچ غزل

بحرِ افکار میں رواں یوں ہے
جیسے کشتی نہیں ہے لانچ غزل
شاخ در شاخ گل کھلاتی ہے
شاعری کی ہے وہ برانچ غزل
اِک غزل بھی تو کم نہیں باقرؔ
کیوں لکھیں آپ چار پانچ غزل

O

جب دلوں کو ٹٹولتی ہے غزل
در محبت کے کھولتی ہے غزل

قافیہ: ''ح''

O

فکرِ تازہ سے ہے مُباح غزل
حرف و معنی کا ہے نکاح غزل

ساری اصناف کی معاون ہے
تیرا منشور ہے فلاح غزل

چار جانب ہے علم کی تابش
کیا حسیں ہے ترا نواح غزل

تیری ہی صنف ہے عوام پسند
تیرے شعروں کی اصطلاح غزل

تیری قوت ہے اسلحہ تیرا
فکر و فن ہے ترا سلاح غزل

تیرے اسرار کُھلتے جاتے ہیں
خوش قدم تیرا انشراح غزل

اس کی سنجیدگی مسلّم ہے
پھر بھی رکھتی ہے کچھ مزاح غزل

مفتیانِ ادب کا فتویٰ ہے
سب کی نظروں میں ہے مُباح غزل
ساری صنفوں کی قائدِ اعظم
ہے محمد علی جناح غزل

O

دل کے رستوں کو کھولتی ہے غزل
خامشی ہو تو بولتی ہے غزل

قافیہ: ''خ''

O

کبھی چھوٹی کبھی فراخ غزل
شجرِ شعر کی ہے شاخ غزل

اس میں رہنا پسند ہے ان کو
ہو حسینوں کا جیسے کاخ غزل

کبھی ہوتی ہے اس قدر مضبوط
جیسے لوہے کی ہو سلاخ غزل

ناز نخرے ہوں یا بناؤ سنگھار
مہ جبینوں کی ہے ٹماخ غزل

مہ رخوں کی بلائیں لیتے ہوئے
جیسے پوروں کی ہو چٹاخ غزل

کبھی ہوتی ہے بے ادب ایسی
جیسے بندوق کی پٹاخ غزل

قافیہ: ''دْ''

O

اردو والے ہیں خانہ زادِ غزل
یہ قبیلہ ہے خوش نژادِ غزل

ہر جگہ چل رہی ہے بادِ غزل
ہر جگہ مل رہی ہے دادِ غزل

ساری دنیا غزل کی طالب ہے
ساری دنیا میں ہیں بلادِ غزل

وہ غزل کے خلاف ہوتا نہیں
جو ہوا واقفِ سوادِ غزل

وہ قلم کار محترم ہیں بہت
کر رہے ہیں جو اجتہادِ غزل

سُننے والوں کا جی نہیں بھرتا
دل میں ایسی پڑی نہادِ غزل

جو نہیں جانتے غزل کیا ہے
وہی رکھتے ہیں کچھ عنادِ غزل

اس کی حالیؔ نے بھی سزا بُھگتی
ہے بڑا جُرم ارتدادِ غزل

اپنا حصہ ہمیں بھی ڈالنا ہے
قرض ہم پر بھی ہے جہادِ غزل

اب یہ منظور ہو نہ ہو باقرؔ
پیش کردی قراردادِ غزل

O

دل کی آواز بولتی ہے غزل
بند ذہنوں کو کھولتی ہے غزل

قافیہ: ''ڈ''

O

ہر جگہ ہے تری ڈیمانڈ غزل
مل کے گاتے ہیں تجھ کو بھانڈ غزل

مثنوی مرثیے قصیدے میں
ذائقہ بخش تیری کھانڈ غزل

تو کہ اِک ہاٹ کیک ہو جیسے
اللہ اللہ تری ڈیمانڈ غزل

اے غزل تو سدا سُہاگن ہے
نہیں ہوگی کبھی تُو رانڈ غزل

قافیہ: ''ذ''

O

معجزہ ایسا بھی ہو شاذ غزل
ہو جہاں میں ترا نفاذ غزل

خوش سخن شاعری کی جنگوں میں
تُو ہے سب سے بڑا محاذ غزل

کتنے شاعر تری پناہ میں ہیں
تُو ہے اُن کے لئے معاذ غزل

ہوا تیرا اثر نفوذ نہ کم
ہر جگہ ہے ترا نفاذ غزل

جو حسد کی ہوا میں جلتے ہیں
کھولتے ہیں ترا محاذ غزل

قافیہ: ''ر''

O

مَطلعِ عارضِ نگارِ غزل
مَقطعِ زلفِ مُشک بارِ غزل

حُسنِ مطلع ہے نو بہارِ غزل
دارِ حُسن و ادب ہے دارِ غزل

کم ہیں شاعر مزاج داں اس کے
اتنا آساں نہیں ہے کارِ غزل

قافیہ اور ردیف کرتے ہیں
زیب و آرائشِ نگارِ غزل

وہ ہر اِک بحر کا شناور ہے
جس کو حاصل ہو اعتبارِ غزل

دہلی و لکھنؤ تھے شہرِ غزل
میرؔ و ناسخؔ تھے شہریارِ غزل

غالبؔ و میرؔ و آتشؔ و ناسخؔ
کیا غضب تھے دماغ دارِ غزل

O

شاعروں میں جو ہے شعارِ غزل
کیسا آباد ہے دیارِ غزل

خوش سخن خوش بیاں عیارِ غزل
ہے رواں جوئے آبدارِ غزل

وہ غزل گو ہے جس کے ہاتھ میں ہو
شانۂ زلفِ تابدارِ غزل

نشے سب ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں
پَر اُترتا نہیں خمارِ غزل

جو روایت بھی ساتھ رکھتے ہیں
وہ سخنور ہیں وضع دارِ غزل

اُس چمن میں خزاں نہیں آتی
لہلہاتا ہے مرغزارِ غزل

ہند کے شاعروں کو ہے معلوم
کیسے چلتا ہے کاروبارِ غزل

اُس کو آنکھوں پہ ہم بٹھاتے ہیں
جو بھی چومے لبِ نگارِ غزل
ہم بھی حُسنِ غزل کے شیدا ہیں
ہم بھی باقرؔ ہیں پاسدارِ غزل

O

اس کی خلقت میں ہے توازنِ حُسن
اپنے مصرعوں کو تولتی ہے غزل

O

حُسنِ احساس کو تصویر بناتی ہے غزل
دل کی آیات کو تفسیر بناتی ہے غزل

جدّتِ فکر سے شعروں پہ نکھار آتا ہے
عام لفظوں کو بر شیر بناتی ہے غزل

شاعروں کو لب و لہجہ کا قرینہ دے کر
بات کہہ دینے کی تدبیر بناتی ہے غزل

نُسخۂ شعر سے کرتی ہے مداوا غم کا
داروئے حرف کو اکسیر بناتی ہے غزل

پھول احساس کے مصرعوں میں پرو کر اپنے
حُسنِ افکار کو زنجیر بناتی ہے غزل

راہیں دکھلاتی ہے کر دیتی ہے روشن جادے
خاک کو مشعلِ تنویر بناتی ہے غزل

دانشِ دہر کے جھگڑوں کو سمجھنے کے لئے
فکرِ نا پُختہ کو بھی، پیر بناتی ہے غزل

O

چاہنے والوں کی توقیر بناتی ہے غزل
مومنؔ و مصحفیؔ و میرؔ بناتی ہے غزل

حسبِ موضوع کیا کرتی ہے لفظوں کا چناؤ
بے اثر بات کی تاثیر بناتی ہے غزل

دل کی گہرائی میں سنتے ہی اُتر جاتے ہیں
اپنے مصرعوں کو کبھی تیر بناتی ہے غزل

حُسنِ اشعار کے شائستہ ہیولے دے کر
خوابِ بیدار کو تعبیر بناتی ہے غزل

آپ لیلائے غزل کے ہوئے شیدا باقرؔ
دیکھیں کیا قیس کی تشہیر بناتی ہے غزل

قافیہ: ''ڑ''

O

فکرِ شاعر کا ہے پہاڑ غزل
نہیں ہوتی کوئی جگاڑ غزل

ذہن کو دیتی ہے یہ تازہ ہوا
کھول کر کھڑکیاں کواڑ غزل

حُسن کو عشق سے ملاتی ہے
ہے بناؤ نہیں بگاڑ غزل

اس کو تیری نظر نہ لگ جائے
تاڑوؤں کی طرح نہ تاڑ غزل

حُسن کو شرم سے بچاتی ہے
آڑ ہے اور کبھی ہے باڑ غزل

یہ کباڑی کے ہاں نہیں ملتی
نہیں ہے خیر سے کباڑ غزل

دولتِ فکر رہ نہ جائے دبی
ذہن کی ریت سے اُکھاڑ غزل

خوبصورت سے خواب آئیں گے
چارپائی کے نیچے گاڑ غزل

کثرتِ شعر ہو تو کہہ لیجے
ایسے لگتی ہے جیسے 'تاڑ' غزل

گھرّا ہوتا ہے بان کھٹیا کا
اِک مسہری کی ہے نواڑ غزل

O

دھیمے لہجے میں میٹھے لفظوں سے
بات کیجئے تو بولتی ہے غزل

O

کون سمجھے گا یہ پہاڑ غزل
کوئی سادہ سی لکھ یہ پہاڑ غزل

دل کے زخموں پہ پھائے رکھتی ہے
کہاں کرتی ہے چیر پھاڑ غزل

سر بلندی ہو جس کی نامعلوم
اُس کو کہتے ہیں ہم پہاڑ غزل

تُو ہے مالن کی نوکری کی طرح
خوب دامن کو اپنے جھاڑ غزل

ہے یہ پھولوں کا ایک گلدستہ
نہیں جنگل کا کوئی جھاڑ غزل

نرم لہجہ میں پڑھ تو اچھا ہے
شیر کی طرح مت دہاڑ غزل

یہ تو لوگوں کے دل ملاتی ہے
دل میں ڈالے گی کیا دراڑ غزل

جس میں اشعار بے تحاشہ ہوں
لوگ کہتے ہیں اس کو دھاڑ غزل

اس کے سولہ سنگھار کرتے ہیں
ہم نے رکھی نہیں اُجاڑ غزل

مہ جبینوں کے ساتھ رہتی ہے
کرتی رہتی ہے چھیڑ چھاڑ غزل

O

فکر شاعر کے ساتھ بحروں میں
موج در موج بولتی ہے غزل

قافیہ: ''ز''

O

مذہبِ شعر کی نماز غزل
شاعری کا ہے امتیاز غزل

سارے اہلِ سخن کی جان ہے یہ
شاعروں کے لیئے ہے ناز غزل

وقت کے سارے رُخ دکھاتی ہے
ہے حقیقت کبھی مجاز غزل

منحصر شاعروں کے مُوڈ پہ ہے
کبھی چھوٹی کبھی دراز غزل

آس اُمید باندھ دیتی ہے
کھولتی ہے دلوں کے راز غزل

کوئی پڑھتا ہے اس کو تحت اللفظ
ہے ترنّم کبھی ہے ساز غزل

شاعری بھی تو اِک عبادت ہے
فکرِ شاعر کی جانماز غزل

کتنے لوگوں کی ہے یہ روزی رساں
غم زدوں کی ہے کارساز غزل

O

ہم کو حاصل رہا نیازِ غزل
ہم اُٹھاتے رہے ہیں نازِ غزل
کوئی شاعر سخن طرازِ غزل
کوئی سُر میں ہے نَے نوازِ غزل

کوئی آفت نہ تھی کہ آن پڑی
اِک زمانے سے ہے جوازِ غزل
فکرِ شاعر کی کوئی حد ہی نہیں
اوجِ مضموں سے ہے فرازِ غزل

دل کے سب تار بجنے لگتے ہیں
جب کوئی چھیڑتا ہے سازِ غزل
سب غزل گو ہیں محترم آزاد
کوئی ہوتا نہیں ایازِ غزل

کچھ ریاضت تو ہو ہی جاتی ہے
جب بچھاتے ہیں جانمازِ غزل

قافیہ: ''ژ''

O

شعر کہتے ہیں صرف ژرف نگاہ
کیسے ممکن ہے کوئی ژاژ غزل

O

کون ہے اس کی جو نظر میں نہیں
سب ہی سے ہنستی بولتی ہے غزل

قافیہ: ''س''

O

ہم ترے مرتبہ شناس غزل
دے رہے ہیں تجھے سپاس غزل
ساری اصناف کی ہے آس غزل
آگئی ہے سبھی کو راس غزل

ہر زمیں اس کی آسماں سے بلند
فکرِ شاعر کی ہے اساس غزل
تجھ سے سیری کبھی نہیں ہوتی
تو بڑھاتی ہے اور پیاس غزل

شعر کہنا اُسی کو آتا ہے
جس کے رہتی ہے آس پاس غزل
شمع امید کی جلاتی ہے
کبھی کرتی نہیں نراس غزل

فکر کا پیرہن ہیں نظارے
میں تو لکھتا ہوں خوش لباس غزل
کہہ کے دنیا کے سارے دُکھ باقرؔ
دل کو کر دیتی ہے اُداس غزل

قافیہ: ''ش''

O

زُہرہ وشوں سے یوں بھی گذارش بنے غزل
قرطاسِ دل پہ شعر کی بارش بنے غزل

یارانِ ماہ رُو سے ہمیشہ بنی رہے
دل والوں کے لئے رہِ نازش بنے غزل

کرتی رہے جہانِ زمین و زماں کی بات
اہلِ نظر کی بینش و دانش بنے غزل

دل کے معاملات کے نقشے بدل سکے
فکرِ سخن کی وہ کدو کاوش بنے غزل

حرفِ سخن میں ماہ جبینوں کی بات ہو
شعر و ادب میں حُسنِ نگارش بنے غزل

حدّت سے اس کی آگ سی دل میں لگی رہے
سوزش بنے غزل کبھی تابش بنے غزل

ممکن نہیں غزل پہ کبھی ایسا وقت آئے
وحشت طلب اُسامہ و داعش بنے غزل

O

یہ ترا جوش اور خروش غزل
رہنے دے گا تجھے خموش غزل

درد و غم ہو کہ عیش و عشرت ہو
سب کو حاصل ہے تیرا دوش غزل

تجھ کو الہام سے بھی نسبت ہے
تُو تو ہے غیب کی سروش غزل

اُن کی نظموں میں ہے غزل کا رچاؤ
لکھ گئے ہیں جنابِ جوشؔ غزل

ہوش کی بات وہ بھی کرتا ہے
کوئی لکھے جو بادہ نوش غزل

کیا سماعت کو وجد آتا ہے
جب بھی ہوتی ہے جاں بہ گوش غزل

وہ جو آنکھوں سے بات ہوتی ہے
وہ بھی ہوتی ہے اِک خموش غزل

بے پیئے جو غزل نہیں کہتے
اُن کو دیتا ہے مے فروش غزل

O

ہر بحر ہر ردیف میں خواہش بنی غزل
کارِ سخن میں فکر کی ورزش بنی غزل

لگتا ہے اب سخن میں غزل ہی کا دور ہے
جب بھی پڑھی اِک حرفِ ستائش بنی غزل

کیا اچھے اچھے کام غزل نے بنائے ہیں
رنجش کو دور کرنے کی کوشش بنی غزل

جب بھی جہاں بھی بزمِ نگاراں میں آگئی
حُسنِ طلب حسینوں کی رامش بنی غزل

جب دست گاہِ علم پہ سر رکھ دیئے گئے
جامد ذہانتوں کی بھی جنبش بنی غزل

بندش ہوئی دلوں کی صداؤں پہ جب کبھی
اہداف کے حصول کی کوشش بنی غزل

باقرؔ غزل اُسامہ و داعش نہیں بنی
دہشت گروں کی جنگ میں یورش بنی غزل

قافیہ: ''ص''

O

عام سی ہو کہ کوئی خاص غزل
ظلم سے لیتی ہے قصاص غزل

شعر کی نغمگی سے بنتی ہے
یہ ہے تیرا ہی اختصاص غزل

تو ہے اشراف کے گھروں کی پلی
تو کسی کی نہیں خواص غزل

یہ تو صدیوں سے یوں ہی جاری ہے
نہیں ہوگی کبھی خلاص غزل

نرم ایسی کہ موہ لے دل کو
پختگی وہ کہ ہے رصاص غزل

قافیہ: ''ض''

O

جب دلوں پر کُھلی بیاضِ غزل
کھل گیا ہر طرف ریاضِ غزل

انبساطِ غزل کے ہوتے ہوئے
کیسے ممکن ہے انقباضِ غزل

ناقدانِ ادب کی کاوش سے
کم ہوا حرفِ اعتراضِ غزل

قافیہ: ''ط''

O

لوگ کرتے ہیں احتیاطِ غزل
غیر ممکن ہے انحطاطِ غزل

اِس میں اپنائیت سی لگتی ہے
گھر کی مانند ہے رباطِ غزل

محفلِ شعر ہو کہ قوالی
ہر جگہ بچھتی ہے بساطِ غزل

بس یہی راستے ہیں چلنے کے
شاہراہِ سخن صراطِ غزل

دل تو تجھ سے بہل ہی جاتے ہیں
دیدنی ہے رہِ نشاطِ غزل

اِس سے تالیفِ قلب ہوتی ہے
روح افزا ہے ارتباطِ غزل

اِس میں ہیں میل جول کے بندھن
اچھا لگتا ہے اختلاطِ غزل

دُکھی دل کو اِک آس دیتی ہے
شاد رکھتا ہے انبساطِ غزل
رکھتی ہے سب کے نکتہ ہائے نظر
حسبِ توفیق ہیں نقاطِ غزل
وہی رکھتے ہیں ضابطوں کا خیال
جانتے ہیں جو انضباطِ غزل

O

سمجھ کی بند راہیں کھولتی ہے
غزل کی خامشی بھی بولتی ہے

قافیہ: ''ظ''

O

جب ہوئی فکر میں ملفوظ غزل
تب ہوئی ذہن میں محفوظ غزل

باقرؔ ہم ایسے شاعر و سامع
چاہتے ہیں ترا حظوظ غزل

قافیہ: ''ع''

O

روشنی بخش ہے شعاعِ غزل
بڑھتا جاتا ہے استماعِ غزل
جانتے ہیں جو انتفاعِ غزل
اُن سے ممکن نہیں وداعِ غزل

روز جاری ہے انطباعِ غزل
کیسے ممکن ہے امتناعِ غزل
نسلِ نو کے یہ نوجواں شاعر
آج ہیں وجہہ ارتفاعِ غزل

حُسنِ تہذیب کی روایت ہے
اپنا ورثہ ہے استماعِ غزل
جن کی شمعِ سخن فروزاں ہے
کر رہے ہیں وہی دفاعِ غزل

ہے غزل شاعری کی جان تو پھر
کس لئے کیجئے نزاعِ غزل
سوچ کے بُت نئے تراشنا ہے
یہ مرا شوقِ اختراعِ غزل

اور اب کیا ہے پاس باقر کے
مال ہے کچھ تو ہے متاعِ غزل

قافیہ: ''غ''

O

دل غزل ہے کبھی دماغ غزل
ہے بہارِ سخن کا باغ غزل

ناسخ و مصحفی و داغ غزل
جل رہے ہیں ترے چراغ غزل

اہلِ دل کے دلوں میں رہتی ہے
تجھ سے ممکن نہیں فراغ غزل

کہنہ باتیں جدید لہجے میں
نئے مضموں کا ہے سُراغ غزل

کسی تعزیر سے ہے ناممکن
تجھ سے ممکن ہے جو بلاغ غزل

یاس کو آس سے بدلتی ہے
غمِ ہستی سے ہے فراغ غزل

مے کشانِ سخن کے ہاتھوں میں
مئے مضموں کا ہے ایاغ غزل

یوں ہی روشن رہے قیامت تک
فکرِ شاعر کا ہے چراغ غزل
حُسنِ حَرفِ بیاں کے پیکر میں
حُسنِ افکار کا بلاغ غزل
باقرؔ خوش سخن کی جان ہے یہ
دل کو رکھتی ہے باغ باغ غزل

○

فضائے فکر میں دنیائے رنگ و بو ہے غزل
سبھی کا نشہ ہے جس میں وہ اِک سبو ہے غزل

قافیہ: ’’ف‘‘

O

اہلِ دل کا ہے اعتراف غزل
حُسن والوں کا کوہِ قاف غزل

بات یہ سچ ہے اور صاف غزل
ہے سخن کے بدن کی ناف غزل

گیت تیرے ہر ایک گاتا ہے
کون ہوگا ترے خلاف غزل

اہلِ دل کے دلوں میں رہتی ہے
کیسے ہو تجھ سے انحراف غزل

جس میں تعقید ہو نہ ہو ابہام
اس کو کہتے ہیں لوگ صاف غزل

شعر میں قافیہ کی لے کے بغیر
نہیں ہوتی خطا معاف غزل

اُس کو حاصل نہیں شعورِ ادب
جس کو تجھ سے ہے اختلاف غزل

تو نئی فکر کے چراغوں سے
کرتی رہتی ہے انکشاف غزل
ہر سخن میں شریک رہتی ہے
تو ہے ہر صنف سے مضاف غزل

O

ہوائے آتش و تاثیرِ آب و گِل ہے غزل
ادب بدن ہے تو سینے میں اس کا دل ہے غزل

O

جو بھی ہوتی ہے خوش ردیف غزل
لطف دیتی ہے وہ لطیف غزل

مرثیہ ہو قصیدہ ہو کہ سلام
تو ہے ہر صنف کی حلیف غزل

عالمِ فرقت و وصال میں بھی
کوئی تیرا نہیں حریف غزل

یہ عجب ہے ضعیف شاعر بھی
کہہ کے ہوتے نہیں خفیف غزل

اور کچھ ہے وہ پھر غزل تو نہیں
جس کو کہہ دے کوئی کثیف غزل

گو شریفوں کا کام ہے لیکن
کہاں کہتا ہے ہر شریف غزل

عورتوں سے ہے گفتگو باقر
ہم بھلا کیوں کہیں خفیف غزل

قافیہ: ''ق''

O

جس میں ہوتا ہے کچھ مذاقِ غزل
اُس کو ہوتا ہے اشتیاقِ غزل

اُس غزل گو کو ملتی ہے معراج
جس کی رانوں میں ہو براقِ غزل

وہ جو ہیں وصلِ شعر کے مشتاق
اُن کو بھاتا نہیں فراقِ غزل

ہم بھی باقرؔ غزل کے شاعر ہیں
ہم نے دیکھے ہیں طمطراقِ غزل

O

کیسے گذرے کسی پہ شاق غزل
سب سے کرتی ہے اتفاق غزل

مثنوی مرثیہ قصیدہ کیا
ساری اصناف کا وفاق غزل

محفلِ شعر ہو کہ بزمِ سماع
ہر طرف تیرا طمطراق غزل

ساری صنفیں ہیں اس کی جان و جگر
کیسے کردے کسی کو عاق غزل

اس کی توقیر کم نہیں ہوتی
جفت میں بھی لکھو جو طاق غزل

فرقتِ یار سہہ گئے باقرؔ
تجھ سے ممکن نہیں فراق غزل

قافیہ: ''ک''

O

جس کو کہتے ہیں تابناک غزل
وہی ہوتی ہے ٹھیک ٹھاک غزل

ڈوبنے والا موتی لاتا ہے
خوب ہے تیرا انہماک غزل

منحصر ہے کہ کس دیار میں ہے
کہیں سونا کہیں ہے خاک غزل

اور اصناف جیسے کچھ بھی نہیں
یوں بٹھاتی ہے اپنی دھاک غزل

جس میں تطہیرِ فکر ہو موجود
اُس غزل کو کہیں گے پاک غزل

عزت و آبرو بزرگی شان
ہم کو رکھنی ہے تیری ناک غزل

ہم نے اب تک نہیں سُنی باقرؔ
کون کہتا ہے خوفناک غزل

قافیہ: ''گ''

O

وہ غزل اس کا انگ انگ غزل
اس سے کُھلتا ہے تیرا رنگ غزل

جانتے ہیں تری ترنگ غزل
ہم سے شاعر ترے ملنگ غزل

پہلے تو صرف دل لکھاتا تھا
اب تو کہتا ہے انگ انگ غزل

رونقِ بزمِ مہ وشاں ان سے
مئے و مینا رباب و چنگ غزل

اس کا دامن بڑا کشادہ ہے
اب نہیں ہے کہیں سے تنگ غزل

ایسی لکھی ہے لکھنے والوں نے
سُن کے ہوتے ہیں لوگ دنگ غزل

ہر تعصب سے دور کرتی ہے
جھاڑتی ہے دلوں کا زنگ غزل

اُس کی رنگیں مزاجیاں نہ گئیں
جس نے دیکھے ہیں تیرے رنگ غزل

پیٹ میں آنت اور نہ منہ میں دانت
بوڑھے شاعر نے لکھی ینگ غزل

اس ضعیفی میں بھی ہمیں باقرؔ
اچھی لگتی ہے شوخ و شنگ غزل

O

پُن کو لکھتی ہے غزل پاپ کو لکھتی ہے غزل
مجھ کو لکھتی ہے غزل آپ کو لکھتی ہے غزل

قافیہ: ''ل''

O

ہجر ہے اور کبھی وصال غزل
ہر محبت کے دل کا حال غزل

کبھی آنکھوں میں اشک لاتی ہے
کبھی کرتی ہے گال لال غزل

ہر نظر حُسن پہ نگاہ رہی
تیرا بڑھتا رہا جمال غزل

اُن کو آتا نہیں غزل کہنا
جہاں ملتی ہے خال خال غزل

وقت اس کا نہیں کوئی مخصوص
ہم تو لکھتے ہیں سارا سال غزل

استخارے کا کام تو نے کیا
دیکھی لوگوں نے تجھ سے فال غزل

مرثیہ بھی شناخت ہے میری
ہے کمال ہنر پہ دال غزل

غالبؔ و میرؔ کی زباں پہ چڑھی
تیرا ممکن نہیں زوال غزل
خود جو اپنی مثال ہوں باقرؔ
وہی لکھتے ہیں بے مثال غزل

O

کان میں آتی ہے جب میرے غزل کی آواز
بجنے لگتا ہے مرے تارِ نفس کا ہر ساز

O

وہ خوشی ہو کہ ہو ملال غزل
تو سدا ہے شریکِ حال غزل

جو زباں واں ہیں بس وہ کہتے ہیں
سیدھی سادی سی بول چال غزل

ذہن مائل نہ ہو تو چپ ہی رہیں
کیوں کہیں ہم خرابِ حال غزل

اپنی باتیں تو ہم بھی لکھتے ہیں
ہم بھی کرتے ہیں عرضِ حال غزل

باکمالوں کے لب پہ آتی ہے
تب ہی ہوتی ہے باکمال غزل

قابلِ دید خد و خال ترے
قابلِ فکر خط و خال غزل

میرؔ اردو ادب کے پیکر میں
تیرا بے مثل ہے جمال غزل

تُو ادب کو نہال رکھتی ہے
تُو ہمیشہ رہے نہال غزل

قافیہ: ''م''

O

خوب ہے تیرا احترام غزل
تجھ کو کرتے ہیں سب سلام غزل

شاعری نام ہی غزل کا ہے
ہم بھی کہتے ہیں صبح و شام غزل

اس کا نشہ کبھی نہیں ٹوٹا
پی لیا جس نے تیرا جام غزل

تیرا لہجہ بھی نرم لفظ بھی نرم
تو ہے کس درجہ خوش کلام غزل

اپنے خالق کی مدح کرتی ہے
کہتی رہتی ہے رام رام غزل

تو ہے نازک مزاج صنفِ سخن
گل و خوشبو ترا مشام غزل

اہل دل کے دلوں میں رہتی ہے
سب سے اعلیٰ ترا مقام غزل

اس کی حد بھی ہے ضابطے بھی ہیں
نہیں ہوتی ہے بے لگام غزل

اس قبیلے میں سب حلالی ہیں
کہیں ہوتی نہیں حرام غزل

بہت اشعار لکھ چکے باقرؔ
آپ اب کیجئے تمام غزل

O

بن گئی مہوشوں کی بزمِ نشاط
جب بچھائی گئی غزل کی بساط

O

تیرا جاری ہے فیضِ عام غزل
چاہتے ہیں تجھے عوام غزل

ساری اصناف مقتدی اس کی
ساری صنفوں کی ہے امام غزل

ہے ترا تابناک مستقبل
تو رہے گی یونہی مدام غزل

رونقوں کی بہار لاتا ہے
محفلوں میں ترا قیام غزل

کل بھی آگے تھی خوش خرامی میں
آج بھی ہے سبک خرام غزل

کر رہی ہے زمانے کو سیراب
ہے مگر آپ تشنہ کام غزل

دے رہی ہے پیامِ علم و عمل
یہ ترے عین میم لام غزل

ریختہ ریختی تغزل ہے
اس لئے رکھا تیرا نام غزل

قافیہ: ''ن''

O

ہیں جو سیراب تشنگانِ غزل
خوش ہیں یارانِ مہربانِ غزل

شاخِ مضموں پہ رنگ رنگ کے پھول
کیا مہکتا ہے گلستانِ غزل

شعر ہوتے ہیں سب غزل میں مگر
شعر ہوتے ہیں بعض جانِ غزل

اس کی گہرائی ہو کہ پہنائی
الاماں بحرِ بے امانِ غزل

از زمیں تا بہ آسماں دیکھی
وسعتِ دامنِ بیانِ غزل

غالبؔ و میرؔ و داغؔ و فیضؔ و فراقؔ
یاد آتے ہیں صاحبانِ غزل

حُسنِ شعری پہ جان دیتے ہیں
ہم وفا کیش عاشقانِ غزل

کوئی پروین کوئی زُہرہ نگاہ
ہم نے دیکھی ہے کہکشانِ غزل
چرخ پر شاعرات کی ہے دھنک
کس سے کم ہیں یہ بانوانِ غزل

O

مل رہا ہے اگرچہ سب کو حظوظ
اردو والوں سے ہے غزل محفوظ

O

اِک زمانہ ہے قدردانِ غزل
کم نہیں آج دوستانِ غزل
کیسے کیسے تھے رفتگانِ غزل
ماشااللہ بندگانِ غزل
ان کو دنیا سلام کرتی ہے
جن کے ہاتھوں میں ہے عنانِ غزل
اس کی منزل کبھی نہیں آتی
چلتا رہتا ہے کاروانِ غزل
ساری دنیا میں ہے غزل کا رواج
کیسا آباد ہے جہانِ غزل
حُسنِ شعر و سخن کے پیکر میں
اچھے لگتے ہیں مہ وشانِ غزل
سج کے بیٹھے ہیں کعبۂ دل میں
اللہ اللہ یہ بُتانِ غزل

منکرانِ غزل کے بارے میں
کچھ تو فرمائیں مفتیانِ غزل
شاعرانِ غزل بہت ہیں مگر
کم ہیں باقرؔ مزاج دانِ غزل

O

پڑ رہی ہے جہاں غزل کی شعاع
ہو رہا ہے وہیں غزل کا دفاع

O

رونقِ بزمِ این و آں ہے غزل
حُسن اور عشق کا جہاں ہے غزل

حرفِ اربابِ خوش بیاں ہے غزل
غالبؔ و میرؔ کی زباں ہے غزل

حُسن ہی حُسن ہے غزل کا مزاج
عشق ہی عشق ہے جہاں ہے غزل

چشم ہر یوسفِ سخن جد پر
وہ زلیخائے نوجواں ہے غزل

حُسنِ محبوب کے نظارے کو
گویا اِک چادرِ کتاں ہے غزل

عاشقوں کی زبان بولتی ہے
حُسن والوں کے درمیاں ہے غزل

قندِ پارس کے ہیں مزے اس میں
اردو والوں کی جانِ جاں ہے غزل

O

رنگِ دستِ حنا غزل کا رچاؤ
حُسنِ تہذیبِ دلبراں ہے غزل
دیکھ لیجے ولی سے باقر تک
عہد در عہد کامراں ہے غزل

O

جب حسیں کوئی گا رہا ہو غزل
اور بڑھ جاتی ہے غزل کی پیاس

O

سر بہ سر سرِّ دلبراں ہے غزل
وضعِ تہذیبِ عاشقاں ہے غزل

آتشِ قلبِ عاشقاں ہے غزل
دل سے اُٹھتا ہوا دھواں ہے غزل

عشق ہوتا ہے اُن دلوں میں نہاں
جن دلوں میں شرر فشاں ہے غزل

حُسن دیتا ہے اُس سخن کو خراج
وجہِ تمکینِ خوش دِلاں ہے غزل

سُننے والوں کو وجد آتا ہے
اِک عجب نشۂ زباں ہے غزل

جس سے سیراب تشنگانِ ادب
میٹھے پانی کا وہ کنواں ہے غزل

سوز بھی اس میں ہے، ترنّم بھی
سازِ دل پر رواں دواں ہے غزل

جو اسدؔ تھے ہیں حشر تک غالبؔ
دیکھئے کیسی قدرداں ہے غزل

O

رامشِ بزمِ دوستاں ہے غزل
رنگِ تہذیبِ رفتگاں ہے غزل

حُسن کی یارِ مہرباں ہے غزل
شاعروں کو قرارِ جاں ہے غزل

کہیں تحسینِ عارفاں ہے غزل
کہیں تنقیصِ ناقصاں ہے غزل

جس سے بڑھتا ہے اعتبارِ سخن
شاعروں کا وہ امتحاں ہے غزل

میزباں اس کے ہیں جہاں والے
ساری دنیا کی میہماں ہے غزل

پانچ سو سال کی مزاج شناس
محرمِ فکرِ دوستاں ہے غزل

مثلِ ماہ و نجوم روشن ہے
ہر کسی کا چراغِ جاں ہے غزل

جلوتوں خلوتوں کی ساتھی ہے
شوقِ آئینہ پیکراں ہے غزل
ہم بھی باقر اسی کے شیدا ہیں
ہم وہاں ہیں جہاں جہاں ہے غزل

O

کرتا رہتا ہے جو غزل کا ریاض
اُس کو مل جاتی ہے غزل کی بیاض

O

سب زمینوں کا آسماں ہے غزل
ساری اصناف میں رواں ہے غزل

جس کے مضمون ہیں گلِ نایاب
اُن بہاروں کا گلستاں ہے غزل

جگمگاتا ہے جس سے عرشِ سخن
وہ ستاروں کی کہکشاں ہے غزل

حُسن اور عشق کے فسانوں میں
دردِ فرقت کی داستاں ہے غزل

لکھنے والے ہیں ساری دنیا میں
کیا بتاؤں کہاں کہاں ہے غزل

ہر جگہ راستہ بناتی ہے
ہر جگہ میرِ کارواں ہے غزل

سب سماجی شعور رکھتی ہے
سب کے جذبوں کی ترجماں ہے غزل

اِک نہیں بھی نہیں ہے اس کے لئے
آج دنیا میں صرف ہاں ہے غزل
اُن دلوں سے کبھی نہ نکلے گی
جن میں خوں کی طرح رواں ہے غزل

O

اُس نے رکھا غزل کا گھر آباد
جس کو آنے لگا غزل کا سواد

قافیہ: ''وٗ''

O

شعر کی قوتِ نمو ہے غزل
ہر سخنور کی آرزو ہے غزل
بارشِ آب رنگ و بو ہے غزل
بادہ خواروں کی ہاؤ ہُو ہے غزل
جس سے ہے گلشنِ سخن شاداب
اے سخنور وہ آبِ جو ہے غزل
چشم و ابرو قد و لب و رخسار
اس کو دیکھو تو ہو بہو ہے غزل
ہورہی ہے جو آنکھوں آنکھوں میں
پیار کی ایسی گفتگو ہے غزل
مست ہیں جس سے مے کشانِ سخن
وہ صراحی ہے وہ سبو ہے غزل
ہے معطر مشامِ جاں جس سے
وہ گلِ شعر رنگ و بو ہے غزل
کیوں نہ باقر کو ہو طلب تیری
وہ غزل گو ہے اور تو ہے غزل

O

پیکرِ حُسن مو بہ مو ہے غزل
شعر گوئی کی آبرو ہے غزل

شہر در شہر کو بہ کو ہے غزل
شش جہت میں چہار سو ہے غزل

آبِ تازہ سے شست و شو ہے غزل
شاعری کا رُخِ نِکو ہے غزل

حسن سارا غزل کا ہے تجھ میں
مجھ سے پوچھو تو جان تُو ہے غزل

گرمیاں جو دلوں میں بھرتی ہے
برف موسم میں ایسی لو ہے غزل

یہ قصیدے سے بھی کچھ آگے ہے
حُسن کی مدح میں غلو ہے غزل

جس کو شعری شعور ہوتا ہے
اُس سخنور کی جستجو ہے غزل

تو بھی حُسنِ غزل کا پیکر ہے
میں تجھے لکھ سکوں تو تُو ہے غزل

قافیہ: ''ہ''

O

شاعری کا مظاہرہ ہے غزل
تب تو میرؔ مشاعرہ ہے غزل

سُننے والوں کو کرتی ہے مسحور
سچ تو یہ ہے کہ ساحرہ ہے غزل

دل کی دنیا ہی اس کا مرکز ہے
اِسی نقطے کا دائرہ ہے غزل

لوگ سُن سُن کے جھوم اُٹھتے ہیں
کیسا دلکش مظاہرہ ہے غزل

سب زمانے غزل میں بستے ہیں
نبضِ حالاتِ حاضرہ ہے غزل

حرف کو رنگ روپ دیتی ہے
ایک ایسی مصورہ ہے غزل

سب کے دل اپنے دل میں رکھتی ہے
اہلِ دل کی مبشرہ ہے غزل

بیٹھکوں میں اِسی سے رونق ہے
شاعری کا مشاعرہ ہے غزل
دل کی تصویر کھینچ لاتی ہے
قلبِ شاعر کا کیمرہ ہے غزل
شاعری کا جسے بھی شوق ہے کچھ
اُس کو باقرؔ کا مشورہ ہے غزل

O

حُسن اور عشق ہے غزل کا مزاج
زندگی دے رہی ہے جس کو خراج

O

چاہنے والوں کی ہے چاہ غزل
کج کلاہوں کی ہے کلاہ غزل

بھلے مانس کو عز و جاہ غزل
چاہ گن کے لئے ہے چاہ غزل

میرؔ و سوداؔ کے نام سے منسوب
واہ ہے اور کبھی ہے آہ غزل

سچے اشعار لکھنے والوں سے
بن گئی راستی کی راہ غزل

اس میں دکھ درد کی کراہیں ہیں
پھر بھی لیتی ہے واہ واہ غزل

شاعری کا شعور دیتی ہے
ہے محبت کی درس گاہ غزل

شاعروں کو سفر کی منزل ہے
ہے سخن کی فرودگاہ غزل

شہرِ شعر و سخن کی راہوں میں
شاعروں کو ہے شاہراہ غزل
لکھنے والے ہیں نیک و بد باقرؔ
خود ثواب اور نہ خود گناہ غزل

O

غزل ہے باغ غزل شاخ ہے غزل ہے گلاب
غزل ہے گیت غزل لے ہے غزل ہے چنگ و رباب

قافیہ: ''ی''

O

وہی لگتی ہے سب کو پیاری غزل
جو سماعت پہ ہو نہ بھاری غزل

کبھی دھرتی کے دُکھ لکھے ہم نے
آسماں سے کبھی اُتاری غزل

اب اسے کون روک سکتا ہے
پانچ سو سال سے ہے جاری غزل

جہاں ادراکِ حُسن ہو ناپید
کیا کرے گی وہاں بچاری غزل

شعر میں قافیہ ضروری ہے
قافیے سے کہاں ہے عاری غزل

دیکھ کر بعض شاعروں کو لگا
جیسے لایا کوئی مداری غزل

بے تغزل غزل نہیں باقرؔ
آپ کی ہو کہ ہو ہماری غزل

O

کون کہتا ہے دشمنی ہے غزل
سر بہ سر راہِ دوستی ہے غزل

بن گئی ہے وجود کا حصہ
شیرِ مادر کی طرح پی ہے غزل

کیا قیامت کے سُر نکالتی ہے
نَے نوازوں کی بانسری ہے غزل

سب مضامینِ عشق ازبر ہیں
سُر سُریلے الاپتی ہے غزل

دور کرلی ہے تیرگی دل کی
فکرِ شاعر کی روشنی ہے غزل

کُھلنے لگتے ہیں رازہائے نہاں
یوں دلوں کو ٹٹولتی ہے غزل

عورتوں کے بھی ٹھاٹ ہیں اس میں
ریختہ ہے کہ ریختی ہے غزل

پڑھنے والوں کو لوگ دیکھتے ہیں
گفتنی ہے کہ دیدنی ہے غزل

قافیہ: ''ے''

O

حمد سے کی ہے ابتدائے غزل
دیکھیے کیا ہو انتہائے غزل

عارفوں کا کلام شاہد ہے
معرفت کے دیئے جلائے غزل

کونسی بات ہے جو اس میں نہیں
پھول ہر طرح کے کھلائے غزل

اِک کتاب ایک شعر میں لکھ دے
معجزہ یہ بھی کر دکھائے غزل

پھر کسی کا چراغ جلتا نہیں
رنگ محفل میں جب جمائے غزل

وہ خدائے سخن وہی تو ہوئے
جن کو مرغوب تھی ہوائے غزل

میرؔ ہیں مرثیے کے میر انیسؔ
میرؔ صاحب ہوئے خدائے غزل

O

کیا بتائے کوئی بہائے غزل
اِک زمانہ ہے آشنائے غزل

وہ سخن رنگ و بو سے خالی ہے
جس سخن میں نہ ہو ہوائے غزل

ہم کو اپنے مشاعروں کے لئے
کچھ نہیں چاہئے سوائے غزل

خوش کلامی ہو خوش سرائی ہو
یہی ٹھہرے ہیں مقتضائے غزل

واں ادب کے نقوش ہوتے ہیں
جہاں ہوتی ہے خاک پائے غزل

ایسے ایسے بھی تھے غزل کے رفیق
زندگی وقف تھی برائے غزل

جن کی اردو ہے نادرست ابھی
اُن کے ہاتھوں میں ہے لوائے غزل

O

وقف یہ کام ہے برائے غزل
ہجر میں رات بھر جگائے غزل

کوئی محفل میں ہو غزل آرا
کوئی خلوت میں گنگنائے غزل

سب سمندر اسی کے بہتے ہیں
کیا کسی ظرف میں سمائے غزل

کوئی غالبؔ کا ہم نوا نہ رہا
اب کہاں ظرف گنگنائے غزل

جہاں چاہیں یہ کام کرتے ہیں
شل نہیں ہوتے دست و پائے غزل

سب سخن اس کی رَو میں بہتے ہیں
ہے فضائے سخن فضائے غزل

قلبِ مضطر کی آرزو ہے یہی
کوئی زہرہ جبیں سُنائے غزل

ماتمِ شعر تھا بپا سرِ بزم
رو دیئے ہم بھی کہہ کے ہائے غزل

دارِ غزل

باقر زیدی

قطعۂ تاریخِ طباعت ''دارِ غزل''

کتنی وسعت میں ہے حصارِ غزل
رنگ و بوئے چمن بہارِ غزل
رونقِ کائناتِ فکر لئے
حُسنِ دلسوز ہے یہ دارِ غزل

۱۴۳۷ھ

نیّر اسعدی

ترتیب

بابِ دوئم ۔ دارِ غزل

نمبر شمار — صفحہ نمبر

نمبر شمار		صفحہ نمبر
۱۔	لفظوں کی طرح کُھلتا ہے بیچاک غزل کا	195
۲۔	مشاعروں کی طرب میں نہیں غزل کا جواب	197
۳۔	صرف مطلع ہی نہیں ماہِ رخاں کے باعث	198
۴۔	میرے وطن میں ہیں جو مشیر و وزیر لوگ	200
۵۔	آرائشِ نگارِ غزل کر رہے ہیں ہم	202
۶۔	دیئے نفرتوں کے بجھائیں گے ہم	203
۷۔	آیئے فکر کو فرات کریں	205
۸۔	یہ بات عام نہیں ہے چلو غزل ہی کہیں	207
۹۔	شعر کی آب جو میں رہتے ہیں	209
۱۰۔	جو نگاہِ عدو میں رہتے ہیں	211
۱۱۔	وہ لوگ جو جہان میں باعث غزل کے ہیں	212
۱۲۔	تپاکِ جاں سے لکھی ہے، ذرا غزل تو سنو	213

۱۳۔ حُسن والوں کی آن بان ہوئی 215

۱۴۔ ہمارا ہر قدم ، لکھا ہوا ہے 216

۱۵ جہاں زعمِ ہمہ دانی بہت ہے 218

۱۶۔ سب سے آسان سب سے مشکل ہے 220

۱۷۔ جس کو قدرت غزل کی حاصل ہے 221

۱۸۔ شعر ہیں گُل ،غزل گلستاں ہے 222

۱۹۔ حُسن پر حُسنِ نظر ہو تو غزل ہوتی ہے 224

۲۰۔ رات مشکل سے بسر ہو تو غزل ہوتی ہے 226

۲۱۔ ہیرے تراشتی ہے وہ بُرش غزل کی ہے 227

۲۲۔ جو کہانی بیان ہو گئی ہے 229

۲۳۔ یوں غزل ترجمان ہو گئی ہے 230

O

لفظوں کی طرح کھلتا ہے پیچاک غزل کا
مشکل سے ہوا کرتا ہے ادراک غزل کا
تیشہ نہیں ہوتا کبھی سفاک غزل کا
الفاظ سے ہوتا ہے رفو چاک غزل کا
وہ بحرِ مضامین سے لے آتا ہے موتی
ہشیار و ہنر مند ہے پیراک غزل کا
آسان سی بولی میں محاکات کی باتیں
ہر نظم سے ہوتا ہے الگ باک غزل کا
ہر صنفِ سخن اچھا بُرا جھیل چکی ہے
دیکھا نہ کبھی عہد المناک غزل کا
وہ میرؔ بنا اور وہی غالبؔ ہوا سب پر
سَر جس نے رکھا بر سرِ افلاک غزل کا
احساس کی شدّت میں بھی آجاتے ہیں آنسو
دیکھے تو کوئی دیدۂ نمناک غزل کا

اِس عہد میں اُس کو بھی کہا جاتا ہے شاعر
مل جائے جسے کچھ خس و خاشاک غزل کا

ہم نے بھی سنوارے تو بہت روپ غزل کے
حق ہم سے بھی پورا ہوا کیا خاک غزل کا

وہ شعر ہی باقرؔ مرا معیار بنیں گے
جو ظرف بنائے گا مرا چاک غزل کا

O

وہ جو کچھ لوگ ہیں غزل کے خلاف
بن رہے ہیں گواہ وعدہ معاف

O

مشاعروں کی طرب میں نہیں غزل کا جواب
کسی زبان و اَدَب میں نہیں غزل کا جواب

ہر ایک حُسنِ سماعت میں ہے غزل مقبول
فضائے شعر و ادب میں نہیں غزل کا جواب

یہ اپنا حُسنِ معانی سجا کے رکھتی ہے
تو اس کے روپ کی چھب میں نہیں غزل کا جواب

محبتوں کا یہ دریا کبھی اُترتا نہیں
محبتوں کے نَسَب میں نہیں غزل کا جواب

خوشی کی بزم میں غزلیں ہی گائی جاتی ہیں
کسی بھی محفلِ شب میں نہیں غزل کا جواب

غزل میں ہوتی ہے شیریں خیالیوں کی مٹھاس
کسی حلاوتِ لَب میں نہیں غزل کا جواب

یہ اپنے مصرعوں پہ برجستہ داد لیتی ہے
کہ بات کہنے کے ڈھب میں نہیں غزل کا جواب

پہنچ گئی ہے سخن کی بلندیوں پہ غزل
کہیں عجم میں عرب میں نہیں غزل کا جواب

غزل کے شعر مکرّر سنائے جاتے ہیں
جوابِ حُسنِ طلب میں نہیں غزل کا جواب

O

صرف مطلع ہی نہیں ماہِ رُخاں کے باعث
حسنِ مطلع بھی ہوا عشقِ بتاں کے باعث

رنگِ رُخسارِ غزل شوقِ بتاں کے باعث
خلقتِ شعر ہوئی خوش دہناں کے باعث

حُسنِ افکارِ شگفتہ سے غزل بنتی ہے
کہاں ہوتی ہے فقط حُسنِ زباں کے باعث

مصرعۂ طرح کوئی ہو تو غزل ہوتی ہے
صف کھڑی ہوتی ہے مسجد میں اذاں کے باعث

قافیوں اور ردیفوں کا اثر اپنی جگہ
شوخ ہوتی ہے غزل ذکرِ بتاں کے باعث

خالقِ حُسن[1] کی صنعت کا خیال آتا ہے
دیدنی حُسنِ جہاں خوش نظراں کے باعث

تابشِ حُسن ہر اک شعر میں آتی ہے نظر
جب غزل ہوتی ہے اُس جانِ جہاں کے باعث

ا۔ اللّٰہُ یُحِبُّ الْجَمَال

اِن حسینوں سے ہے نیرنگئی افکارِ غزل
ہم بھی لکھتے ہیں غزل ماہ وشاں کے باعث
حُسن اور عشق کے جلووں کی ہے بارش اِس میں
کم لکھی جاتی ہے رودادِ جہاں کے باعث
کارِ جاں جان کے کچھ کارِ غزل کرنا ہے
وقت ملتا ہے کہاں کارِ جہاں کے باعث
ہم بلا خوفِ تردّد یہ کہیں گے باقرؔ
آئی شیریں سُخنی شیریں لباں کے باعث

O

مزاجِ شعر بناتی ہے ایک اچھی ردیف
غزل کا حُسن بڑھاتی ہے ایک اچھی ردیف

O

میرے وطن میں ہیں جو مشیر و وزیر لوگ
کم ہی ملیں گے ایسے کہیں بے ضمیر لوگ

خوش وقت کیا وہ دور تھا اردو زبان کا
جس دور میں ہوئے ہیں انیسؔ و دبیرؔ لوگ

کیا لکھنؤ تھا آتشؔ و ناسخؔ کے دور میں
کیا بے مثال عہد تھا کیا بے نظیر لوگ

وہ شہر آگرہ بھی ہے دلّی بھی ہے مگر
ہوتے نہیں ہیں اب کہیں میرؔ و نظیرؔ لوگ

شعر و سخن میں قحط ہے اہلِ کمال کا
ممکن نہیں کہ آج ہوں مُصحفیؔ مُنیرؔ لوگ

ہم کم بساط لوگ سہی کم نظر نہیں
راہوں کے سنگِ میل ہیں ہم سے فقیر لوگ

شاعر غزل کا بوڑھا تو ہوتا نہیں کبھی
سارے جواں ہیں جتنے غزل گو ہیں پیر لوگ

ان کی غزل کے ساتھ ہیں صدیوں کی چاہتیں
یہ جو مشاعروں کی ہیں رونق کثیر لوگ
باقر ادب کے ساتھ ہے اُن ماؤں کو سلام
جن ماؤں نے ادب کو دیئے بے نظیر لوگ

O

جب انہیں لگ گیا غزل کا روگ
جوق در جوق سننے آئے لوگ

O

آرائشِ نگارِ غزل کر رہے ہیں ہم
وقفِ چمن بہارِ غزل کر رہے ہیں ہم
سب کو شریکِ کارِ غزل کر رہے ہیں ہم
یارِ سخن کو یارِ غزل کر رہے ہیں ہم
مدت سے یہ جو کارِ غزل کر رہے ہیں ہم
آباد ہر دیارِ غزل کر رہے ہیں ہم
غزلوں میں حمد و نعت کے اشعار ڈال کر
اونچا درِ دیارِ غزل کر رہے ہیں ہم
اونچائیاں تراش کے گڑھوں کو پاٹ کے
ہموار رہگذارِ غزل کر رہے ہیں ہم
وہ لوگ جن کو ذوقِ غزل سے نہیں لگاؤ
اُن دوستوں کو یارِ غزل کر رہے ہیں ہم
رندوں کا تو غزل سے پرانا ہے میل جول
زاہد کو قدح خوارِ غزل کر رہے ہیں ہم
باقرؔ کوئی تو بزم میں آئے غزل مثال
مدت سے انتظارِ غزل کر رہے ہیں ہم

O

دیئے نفرتوں کے بجھائیں گے ہم
محبت کی شمعیں جلائیں گے ہم

دلوں کو دلوں سے ملائیں گے ہم
محبت کے دریا بہائیں گے ہم

جہاں خونِ ناحق کا قطرہ گرے گا
وہاں خون اپنا گرائیں گے ہم

یہاں دوستی کا چلن ہی نہیں ہے
کسے دوست اپنا بنائیں گے ہم

اخوت کے ناطے محبت کے رشتے
بگاڑے کی دنیا بنائیں گے ہم

یہ دنیا بہت آزمائی ہوئی ہے
اسے اور کیا آزمائیں گے ہم

نگارِ غزل تو نگارِ غزل ہے
اسے تو گلے سے لگائیں گے ہم

ہے وصفِ خدا بھی یحبُّ الجمال
تو کیوں حُسن سے دور جائیں گے ہم

سُنا ہے محبت ہی وصفِ خدا ہے
نہ اِس سے کبھی باز آئیں گے ہم

جو یادوں کے مسکن میں گھر کر چکے
اُنہیں اب کہاں تک بھلائیں گے ہم

نہیں ہیں اب اتنے بھی بے کار باقرؔ
کسی کے تو کچھ کام آئیں گے ہم

O

دیکھئے یوں بھی ہے غزل کا جواز
ہے حقیقت کہیں غزل ہے مجاز

O

آیئے فکر کو فرات کریں
پیاسی شب میں غزل سے بات کریں
وہ اگر چشمِ التفات کریں
رات کو دن تو دن کو رات کریں
جہاں اردو غزل کی بات کریں
ہم وہیں سَیرِ کائنات کریں
کیا کریں ہم اگر غزل نہ کہیں
کس طرح اپنے دل کی بات کریں
لکھتے ہیں عام بول چال کے لفظ
اپنی غزلوں کو کیوں لغات کریں
اتنے شیریں سخن تو ہوں شاعر
شعر میں بات کو نبات کریں
کوئی تو وقت بے حجابی ہو
ہم کہاں تک تکلفات کریں

جن کے ہونے سے اِک غزل ہوجائے
کچھ تو ایسی نوازشات کریں

یاں حسینوں کی کچھ کمی تو نہیں
پھر کوئی تازہ واردات کریں

پہلے اپنا وجود پہچانیں
پھر بجا ہے جو حبِ ذات کریں

یہ تو زندہ ہی مار دیتا ہے
عشق سے کیا توقعات کریں

O

یہ بات عام نہیں ہے چلو غزل ہی کہیں
کچھ اور کام نہیں ہے چلو غزل ہی کہیں

جو دل پہ چوٹ نہ کھائے غزل نہیں کہتا
یہ سب کا کام نہیں ہے چلو غزل ہی کہیں

خوشا یہ لحظۂ موجود اپنی فکرِ رسا
اسیرِ دام نہیں ہے چلو غزل ہی کہیں

یہ کیا غضب ہے کہ اس چودھویں کی رات میں بھی
مہِ تمام نہیں ہے چلو غزل ہی کہیں

اداس لمحوں میں کس طرح جی کو بہلائیں
شریکِ جام نہیں ہے چلو غزل ہی کہیں

رہینِ کارِ سیاست ہے قوم کی تقدیر
یہ اپنا کام نہیں ہے چلو غزل ہی کہیں

صفیں جو بچھتیں تو ہم بھی نماز پڑھ لیتے
کوئی امام نہیں ہے چلو غزل ہی کہیں

خیالِ دوست ٹھہر کوئی لمحۂ فرصت
ہمارے نام نہیں ہے چلو غزل ہی کہیں
غزل کا کہنا ہر اِک کے تو بس کی بات نہیں
صلائے عام نہیں ہے چلو غزل ہی کہیں

قطعہ

جیسے اب کوئی رسم و راہ نہیں
بے خطا بے قصور بیٹھے ہیں
چاند کے آس پاس ہیں تارے
آپ کیوں اتنی دور بیٹھے ہیں

O

شعر کی آب جو میں رہتے ہیں
مستقل رنگ و بو میں رہتے ہیں

ہم کو مطلوب ہے شرابِ غزل
غرق جام و سبو میں رہتے ہیں

ہم کوئی آرزو نہیں رکھتے
حسرتِ آرزو میں رہتے ہیں

پیرہن جن کے تار تار ہوئے
وہ ہی فکرِ رفو میں رہتے ہیں

اُن کی پاکی مثال ہوتی ہے
جو ہمیشہ وضو میں رہتے ہیں

وہ جو ہوتے نہیں حسد کا شکار
وہ ہمیشہ نمو میں رہتے ہیں

جب سے شہرِ غزل ہوا ہے پڑاؤ
وقت کی ہاؤ ہو میں رہتے ہیں

حرف کی آبرو میں فرق نہ آئے
ہم اِسی جستجو میں رہتے ہیں
روز کہتے ہیں ایک تازہ غزل
شعر کی آرزو میں رہتے ہیں
آپ باقر سے بدگمان نہ ہوں
وہ تو اپنی ہی خو میں رہتے ہیں

قطعہ

کچھ اور کیجیے یہ عنایت نہ کیجیے
للہ ہم سے اتنی محبت نہ کیجیے
ایسا نہ ہو کہ آنکھ سے آنسو نکل پڑیں
تسکینِ اضطراب کی زحمت نہ کیجیے

O

جو نگاہِ عدو میں رہتے ہیں
وہ سدا گفتگو میں رہتے ہیں

خوب سے خوب تر کی خواہش ہے
شعر کی شُست و شُو میں رہتے ہیں

اپنی اپنی نبیڑنی ہے ہمیں
ہم کہ بس ما و تُو میں رہتے ہیں

اپنے اپنے لہو کے رنگ لئے
اپنے اپنے لہو میں رہتے ہیں

نیک بختی اُنہیں کا جوہر ہے
جو دیارِ نکو میں رہتے ہیں

وہ جو حدت مزاج ہیں باقرؔ
انتقامِ عدو میں رہتے ہیں

O

وہ لوگ جو جہان میں باعث غزل کے ہیں
سچ پوچھیے تو بس وہی وارث غزل کے ہیں

غزلوں نے جن کی کردیا ظرفِ غزل فراخ
اہلِ سخن میں بس وہی حادث غزل کے ہیں

قطعہ

اتنی تنہائی کی راتوں میں ترے شہر سے دور
شب گزرتی ہے مگر ہنت نئی گھاتیں کرتے
دوست ملتا کہ نہ ملتا کوئی دشمن ملتا
جو بھی ملتا ہم اُسی سے تری باتیں کرتے

O

تپاکِ جاں سے لکھی ہے ذرا غزل تو سنو
زمانے بعد ہوئی ہے ذرا غزل تو سنو

خدا کی دین ہوئی ہے بصورتِ الہام
ہمارے دل پہ کُھلی ہے ذرا غزل تو سنو

تمام عمر کے اس سنگ زارِ ہستی سے
یہ ریزہ ریزہ چنی ہے ذرا غزل تو سنو

بہت سُنی ہیں زمانے کی بے تکی باتیں
یہ دل کی بات کہی ہے ذرا غزل تو سنو

یہ اور مے تو نہیں یہ تو ہے شرابِ سخن
کشید دل سے ہوئی ہے ذرا غزل تو سنو

کسی کو اپنی پرانی غزل سناتے نہیں
ابھی کہی ہے نئی ہے ذرا غزل تو سنو

ہمیشہ رکھتے ہیں سنجیدگی غزل کا شعار
ذرا سی شوخ دلی ہے ذرا غزل تو سنو

کہیں سے حرف گرا یا ہیں شعر ناموزوں
کہیں ہنر کی کمی ہے ذرا غزل تو سنو

ردیف لمبی سہی قافیہ پُرانا سہی
یہاں بھی حرفِ روی ہے ذرا غزل تو سنو

کسی سے بغض کی ہم بات ہی نہیں کرتے
غزل تو حبِّ علیؑ ہے ذرا غزل تو سنو

ابھی تو صرف اٹھتّر برس کے ہیں باقرؔ
ابھی تو عمر پڑی ہے ذرا غزل تو سنو

O

حُسن والوں کی آن بان ہوئی
عاشقوں کو غزل زبان ہوئی

اس نے ایسے بھلے سخن لکھے
اردو بولی تھی اِک زبان ہوئی

اس نے باغِ سخن میں پھول کھلائے
ہر زمیں اس سے آسمان ہوئی

پہنچی دلّی یہ گھٹنیوں چل کر
میر و مرزا پہ مہربان ہوئی

اہلِ ایماں کو اپنے ساتھ رکھا
کافروں پر بھی مہربان ہوئی

شاعروں نے دیا خراج اسے
سارے اہلِ سخن کی جان ہوئی

ساری اصناف کا بھرم رکھا
حُسنِ شعر و سخن کا مان ہوئی

داستانوں کی داستاں ٹھہری
اہلِ دل کی مزاج دان ہوئی

سب چلے مسجدِ سخن کی طرف
یہ غزل ہی تھی جو اذان ہوئی

O

ہمارا ہر قدم لکھا ہوا ہے
کہاں جائیں گے ہم لکھا ہوا ہے

جو لکھا ہے بہ ہر صورت ملے گا
کہ سب دام و درم لکھا ہوا ہے

وہیں پر آپ کی نظریں پڑی ہیں
جہاں مصرعوں میں ذم لکھا ہوا ہے

کہیں تعقید ہے شعروں میں میرے
کہیں سہوِ قلم لکھا ہوا ہے

غزل ہو نظم ہو یا مرثیہ ہو
جو کرتا ہوں بہم لکھا ہوا ہے

پڑھے گی ایک دن مجھ کو بھی دنیا
کہ حرفِ محترم لکھا ہوا ہے

خوشی جانے کہاں تحریر ہوگی
محبت میں تو غم لکھا ہوا ہے

یہی پہچان بن جائے گا میری
یہ جو بھی بیش و کم لکھا ہوا ہے

نہیں معلوم جن کو کیا ہے حُرمت
اُنہیں کو محترم لکھا ہوا ہے

مجھے بھی جانا ہے دنیا سے اِک دن
کہ ہر اِک کا عدم لکھا ہوا ہے

مجھے بھی ایک دن مانے گی دُنیا
مِرا جاہ و حشم لکھا ہوا ہے

کہاں لکھنے سے باز آتا ہے باقرؔ
اس آہو کا تو رَم لکھا ہوا ہے

O

جہاں زعمِ ہمہ دانی بہت ہے
وہیں دیکھو تو نادانی بہت ہے

غزل کا نام ہے اہلِ عرب میں
مگر ساکھ اس کی ایرانی بہت ہے

غزل کو حافظؔ و جامیؔ نہیں کم
قصیدے کو جو قاآنیؔ بہت ہے

سبھی صنفِ سخن گو محترم ہیں
وقارِ مرثیہ خوانی بہت ہے

کلامِ فارسی غالبؔ کا دیکھو
یہ ہندی کم ہے ایرانی بہت ہے

غزل لگتی ہے گرچہ صنفِ آساں
غزل میں جان افشانی بہت ہے

عجب ہے آج کا ذوقِ سخن بھی
غزل جانی ہے کم مانی بہت ہے

نہیں آساں کچھ کارِ غزل بھی
یہ سارا کام وجدانی بہت ہے
لُغت کے لفظ تھوڑے پڑ رہیں ہیں
مِرے شعروں میں یکسانی بہت ہے
محبت کی بھی اب فرصت ہے مشکل
مجھے کارِ سخن رانی بہت ہے
میں بے اُستاد ہوں باقرؔ تو غم کیا
مجھے تائیدِ رحمانی بہت ہے

O

سب سے آسان سب سے مشکل ہے
یہ غزل ہے کہ آپ کا دل ہے

کوئی جانِ سخن کوئی دل ہے
ہر سخنور کی ایک منزل ہے

بے بصیرت نہیں ہے علمِ عروض
جو یہ فن جانتا ہے کامل ہے

جو سخنور فقط غزل ہی کہے
کاروانِ سخن میں شامل ہے

شعر گوئی تو اور کچھ بھی نہیں
زورِ طوفاں میں فکرِ ساحل ہے

یہ کسی کا تو دل دُکھاتی نہیں
حق بیانی خلافِ باطل ہے

کون استاد ہے قمرؔ کی طرح
جو نگارِ غزل کا حاصل ہے

آپ باقرؔ یہ خوب جانتے ہیں
جَسدِ شعر میں غزل دل ہے

O

جس کو قدرت غزل کی حاصل ہے
اس کو آساں سخن کی مشکل ہے

ساری اصناف میں غزل کا سجاؤ
عارضِ شاعری پہ اِک تل ہے

فکرِ شاعر ہے آبِ کشتِ غزل
گل اُگاتی ہے جو یہ وہ گِل ہے

گرم جوشی سے جو نہیں ملتا
اُس کے سینے میں برف کی سِل ہے

حُسن ظالم ہے یا کہ ہے مظلوم
عشق مقتول ہے کہ قاتل ہے

وہ غزل کہنا ہو کہ سننا ہو
جو ہے باذوق اس پہ مائل ہے

یہ تو قاری ہی فیصلہ دیں گے
کون کتنا غزل کے قابل ہے

O

شعر ہیں گل غزل گلستاں ہے
جاں ادب ہے غزل رگِ جاں ہے
جو چراغِ غزل فروزاں ہے
پانچ صدیوں سے نور افشاں ہے
یہ جو بزمِ غزل نگاراں ہے
اب یہی بزمِ ہم نشیناں ہے
جو دیارِ سخن میں جولاں ہے
اس کی شمعِ غزل فروزاں ہے
سب کی دلچسپیوں کا ساماں ہے
شاعری میں غزل فراواں ہے
یہ نہ تو دین ہے نہ ایماں ہے
چاہتوں کے دلوں کا درماں ہے
سب سے مشکل ہے سب سے آساں ہے
یہ جو شوقِ غزل نگاراں ہے

اس کا نشہ کہاں اُترتا ہے
شوقِ مستاں ہے جانِ یاراں ہے

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آتی ہیں
یہ غزل ہے کہ ابرِ باراں ہے

یہ سکھاتی ہے خود فراموشی
یہی تجدیدِ یادِ یاراں ہے

یوں غزل کے چراغ روشن ہیں
جس طرف دیکھئے چراغاں ہے

چاہے وہ خود غزل کہے نہ کہے
آج کل ہر کوئی غزل خواں ہے

ایسے بھی ہیں جو بیچتے ہیں غزل
پیٹ بھرنے کا بھی یہ ساماں ہے

O

حُسن پر حُسنِ نظر ہو تو غزل ہوتی ہے
دل محبت کا نگر ہو تو غزل ہوتی ہے

پیار ہر حال میں مطلوب ہے ہر وقت اسے
پیار جب شام و سحر ہو تو غزل ہوتی ہے

چاندنی رات کی تنہائی تو ڈس لیتی ہے
سامنے رشکِ قمر ہو تو غزل ہوتی ہے

کون کہتا ہے غزل وصل کے ہنگاموں میں
مِل کے چُھٹ جانے کا ڈر ہوتو غزل ہوتی ہے

صرف الفاظ کی بندش ہی نہیں ہے کافی
فکر جب محوِ سفر ہو تو غزل ہوتی ہے

سامنے سب کے جو دیکھو تو کوئی بات نہیں
کوئی دُزدیدہ نظر ہو تو غزل ہوتی ہے

شادمانی کی قسم دیدۂ گریاں کی قسم
درد میں عمر بسر ہو تو غزل ہوتی ہے

صرف لفظوں کے دروبست سے بنتا نہیں کام
ذہن میں مصرعۂ تر ہو تو غزل ہوتی ہے

لفظ کو وزن میں رکھ دینے سے کیا ہوتا ہے
حرف و معنی میں اثر ہو تو غزل ہوتی ہے

ہجر میں وصل کا امکان غزل مانگتا ہے
اُس سے ملنے کی خبر ہو تو غزل ہوتی ہے

O

کچھ تو فرمائیں توجہ وہ ہماری جانب
ہم بھی محفل میں بڑی دیر کے لائے ہوئے ہیں

O

رات مشکل سے بسر ہو تو غزل ہوتی ہے
دن بہ اندازِ دگر ہو تو غزل ہوتی ہے

آنکھ کے راستے جو دل میں اُتر جاتی ہے
ایک لمحہ وہ نظر ہو تو غزل ہوتی ہے

اپنے گھر آپ رہیں اس سے غزل کو کیا کام
دلِ محبوب میں گھر ہو تو غزل ہوتی ہے

زندگی میں کوئی اپنا ہی نہیں تھا جیسے
عمر کچھ ایسے بسر ہو تو غزل ہوتی ہے

عمر اِک حال میں گذرے تو بدلتا نہیں کچھ
زندگی زیر و زبر ہو تو غزل ہوتی ہے

فصلِ گُل آتے ہی شاخوں پہ ثمر آتے ہیں
بے ثمر شاخِ شجر ہو تو غزل ہوتی ہے

جو اُدھر کا ہے اِدھر ہو تو کوئی بات نہیں
جو اِدھر ہے وہ اُدھر ہو تو غزل ہوتی ہے

کچھ غزل لکھنا بھی ایسا نہیں آساں باقرؔ
شعر کہنے کا ہُنر ہو تو غزل ہوتی ہے

O

ہیرے تراشتی ہے وہ بُرش غزل کی ہے
اہلِ زباں ہیں شاد وہ نازش غزل کی ہے

اہلِ نظر کے قلب پہ بارش غزل کی ہے
کچھ اہلِ فن پہ خاص نوازش غزل کی ہے

صدیوں کی شاعری میں وہ بندش غزل کی ہے
جو نازشِ قلم ہے نگارش غزل کی ہے

دل کے معاملات میں رامش غزل کی ہے
ہر اک کے کام آئے یہ کوشش غزل کی ہے

اردو معاشرہ میں جو تابش غزل کی ہے
اہلِ سخن کا کیش کشائش غزل کی ہے

خوش وقت محفلوں میں نمائش غزل کی ہے
بزمِ سخن میں راحت و رامش غزل کی ہے

ٹھنڈا جو دل کو رکھتی ہے، آتش غزل کی ہے
دل والے جانتے ہیں سو خواہش غزل کی ہے

شورش کوئی غزل کی نہ تابش غزل کی ہے
روشن دلوں کو رکھے وہ تابش غزل کی ہے
جس بزم میں بھی دیکھئے خواہش غزل کی ہے
خوش دل سماعتوں کی گذارش غزل کی ہے
کچھ بد نصیب ہیں جنھیں رنجش غزل کی ہے
ایسے بھی ہیں کہ جن میں پرستش غزل کی ہے
باقر خدا کا شکر ہے تابش غزل کی ہے
امریکہ میں بھی ساتھ رہائش غزل کی ہے

نوٹ: صرف مطلعوں پر مبنی غزل۔

O

جو کہانی بیان ہوگئی ہے
بس وہی داستان ہوگئی ہے

یوں غزل کامران ہوگئی ہے
ساری دنیا کی جان ہوگئی ہے

قد نکالا ہے کس قیامت کا
کیا غضب کی اُٹھان ہوگئی ہے

کیا ہے وہ اب جو اس غزل میں نہیں
سونے چاندی کی کان ہوگئی ہے

ساری اصناف میں ہے گھر اس کا
گویا اِک خاندان ہوگئی ہے

خاکساری سے ہیں زمین پہ پاؤں
ورنہ یہ آسمان ہوگئی ہے

میرا سُرمہ بنی ہے خاکِ نجف
میری مٹی مہان ہوگئی ہے

ویسے ہوجائیں آپ بھی باقر
جیسی دنیا جہان ہوگئی ہے

○

یوں غزل ترجمان ہوگئی ہے
شاعری کی زبان ہوگئی ہے
وقت کی داستان ہوگئی ہے
اہلِ دل کی زبان ہوگئی ہے
جو زمین و زماں سے ہے آگے
فکر کی وہ اُڑان ہوگئی ہے
اس کی بحریں بھی ہیں زمینیں بھی
خشک و تر کا جہان ہوگئی ہے
ہر جگہ گھر ہے اور نہیں کہیں گھر
کیا غزل لامکان ہوگئی ہے
لفظ دھرتی پہ پاؤں دھرتے نہیں
بڑی اونچی اُڑان ہوگئی ہے
فکرِ ہرکس بقدرِ ہمّت اوست
ہمتوں کا جہان ہوگئی ہے
اب غزل کی پلٹ گئی کایا
اب یہ معجز بیان ہوگئی ہے
ڈیڑھ سو روپیہ کی ایک روٹی
ڈیڑھ ڈالر کی نان ہوگئی ہے
اب نمازِ سخن پڑھو باقرؔ
چلئے اُٹھیے اذان ہوگئی ہے

دیارِ غزل
باقر زیدی

قطعۂ تاریخِ طباعت ''دیارِ غزل''

یہ حُسن و محبت کا گویا سبب ہے
یہاں بے وفائی کا امکان کب ہے
نہ کیوں ہو قلم سر بہ سجدہ یہاں پر
دیارِ غزل میں خیالِ ادب ہے

۲۰۱۵ء

نیّر اسعدی

ترتیب

بابِ سوئم ۔ دیارِ غزل

نمبر شمار		صفحہ نمبر
۱۔	جو صبح نکلا ہوا شام بھی نہیں آتا	235
۲۔	بارِ احساں کب اُٹھایا ہے کسی استاد کا	237
۳۔	پاس رکھتے ہیں مہ جبینوں کا	239
۴۔	سیاہ زلفوں کے بادلوں سے جو دن میں وہ ماہتاب نکلا	241
۵۔	وہ جس میں علم و ہُنر نہیں تھا، وہ بے ہُنر کامیاب نکلا	242
۶۔	جس پر کسی حَسین کا حُسنِ نظر ہوا	243
۷۔	جو ہم سفر نہ تھا، وہ شریکِ سفر ہوا	245
۸۔	ہم نے دل اپنا تم سے صاف کیا	247
۹۔	دل سے احساسِ رنگ و بو نہ گیا	249
۱۰۔	لطفِ امید و آرزو نہ گیا	250
۱۱۔	ہیں وہ خوش وقت جو ہیں حُسنِ حَسیناں کے قریب	251
۱۲۔	جو گذرنی تھی وہ گذری ترے دیوانوں پر	252
۱۳۔	اُس نے دستِ ناز سے یوں زلف لہرائی کہ بس	254
۱۴۔	جو گوشِ دل سے جلائیں سماعتوں کے چراغ	259
۱۵۔	دل پر جو گذرتی ہے گذاروں گا کہاں تک	261

۱۶۔ کسی کی راہ پر چلتا نہیں ہوں 262
۱۷۔ وہ صبح کی باتیں ہوں کہ ہوں شام کی باتیں 264
۱۸۔ یوں رہے حُسن کی نگاہوں میں 266
۱۹۔ کم نہیں ہو گی کبھی، وہ پیار کی مایا ہوں میں 268
۲۰۔ اگر چہ یہاں لوگ ویلے بہت ہیں 269
۲۱۔ قصوں کی طرح ہیں نہ فسانوں کی طرح ہیں 270
۲۲۔ کچھ حسیں دل کے تقاضوں کو غضب جانتے ہیں 271
۲۳۔ ذہن جو سازشوں میں رہتے ہیں 273
۲۴۔ صبح رکھتے ہیں شام رکھتے ہیں 274
۲۵۔ آج ہم بارِ امانت جو سنبھالے ہوئے ہیں 276
۲۶۔ شہر کے لوگ جو قاتل کے حوالے ہوئے ہیں 277
۲۷۔ اپنی تاریخ کا پرچم جو اُٹھائے ہوئے ہیں 278
۲۸۔ وہ تو اس طرح مرے دل میں سمائے ہوئے ہیں 279
۲۹۔ وہ اور کیا ہے جو موجود چاہتوں میں نہیں 280
۳۰۔ گداگری کی ضرورت گداگروں میں نہیں 281
۳۱۔ سہانے خواب تھے، تعبیرِ خواب دیکھوں تو 282
۳۲۔ زُہرہ وشانِ شہر میں اپنا کوئی تو ہو 284
۳۳۔ دل ہے تو ہوں مکین بھی، خالی مکاں نہ ہو 286
۳۴۔ شہر میں وہ ہوا چلی ہے کچھ 288

۳۵۔ پاس اُس کے اگر حُسن کی دولت نہیں ہوتی 290

۳۶۔ اپنے اسلاف کے آثار ہیں باقر زیدی 291

۳۷۔ فکر کی خوش قامتی اچھی لگی 294

۳۸۔ خواب لکھے جائیں گے تعبیر لکھی جائے گی 298

۳۹۔ سخن کے دشت میں جب نکہتِ ادب پھیلی 300

۴۰۔ ہم سے ملنے بھی آپ آئیں کبھی 302

۴۱۔ زندگی گردشوں کی گردش تھی 304

۴۲۔ فسانہ خیز تو ہو سرخی لہو ہی سہی 306

۴۳۔ باطل ہیں جو باطل کو بھی باطل نہیں کہتے 308

۴۴۔ دل کی دنیا نہیں، تو کیا کیجے 309

۴۵۔ دیکھوں اُسے تو اِک رُخِ زیبا دکھائی دے 312

۴۶۔ بد بیں کو کوئی کس طرح اچھا دکھائی دے 314

۴۷۔ جو گھاٹے کا بیوپار کرے 316

۴۸۔ اِک بار کرے، سو بار کرے 317

۴۹۔ ہمارے شہر سے وحشت کو کم کوئی تو کرے 318

۵۰۔ اجنبی کی طرح ملتا ہے جو اپنا ہم سے 322

۵۱۔ جو نہ شرمندہ ہوں اپنے ضمیروں سے 324

۵۲۔ دُکھ درد اِک جہاں کا غزل میں اُتار کے 326

۵۳۔ اس شہرِ قتلِ عام میں کس کس کو رو سکے 328

۵۴۔	فاصلے جب نہ درمیاں ہوں گے	330
۵۵۔	جہل کا جب قلم نکلتا ہے	332
۵۶۔	رزقِ افکار مجھے جب بھی عطا ہوتا ہے	334
۵۷۔	مقدر میں جو غم لکھا ہوا ہے	335
۵۸۔	یہاں حُسن کی بادوباراں بہت ہے (بحوالۂ امریکہ)	336
۵۹۔	لباسوں میں جو عریانی بہت ہے (بحوالۂ امریکہ)	339
۶۰۔	حَسیں چہروں پہ تابانی بہت ہے	341
۶۱۔	جہاں جلووں کی ارزانی بہت ہے	343
۶۲۔	اُس کی چاہت کا اثر اچھا تو ہے	345
۶۳۔	یہ محبت کا نگر اچھا تو ہے	346
۶۴۔	دُور جو صحبتِ بتاں سے رہے	348
۶۵۔	جب تلک مہ وشوں کی یہ دھرتی رہے	350
۶۶۔	مامن ہے کہ ہم میں اب بھی ہے	353
۶۷۔	خامشی درمیان ہو گئی ہے	354
۶۸۔	نظر ملائی تھی جس نے نقاب ہوتے ہوئے	356
۶۹۔	کھول دو زلفوں کو اپنی بادوباراں کے لئے	358
۷۰۔	ہے رواں خونِ شہیداں دشتِ ارماں کے لئے	360

O

جو صبح نکلا ہوا شام بھی نہیں آتا
وہ اپنے گھر کے کسی کام بھی نہیں آتا

زبان رہتی تھی جن کی مٹھاس سے شیریں
اب ان لبوں پہ مِرا نام بھی نہیں آتا

ہمارے شہر کے قاتل عجیب قاتل ہیں
کسی کے سر کوئی الزام بھی نہیں آتا

وہ سامنے ہو تو رہتا ہے بس اسی کا خیال
خیالِ گردشِ ایام بھی نہیں آتا

وہ جاں نثار کہ جو خلوتوں کا ساتھی تھا
وہ اب تو ملنے کُھلے عام بھی نہیں آتا

اُسی کو سب سے گِلہ ہے نہ کام آنے کا
جو خود کسی کے کبھی کام بھی نہیں آتا

جو چین سے ہے بہت چھین کر سکون مرا
بغیر اُسی کے تو آرام بھی نہیں آتا
خدا کے خاص تھے وہ جن پہ وحی اُترتی تھی
ہمارے پاس تو الہام بھی نہیں آتا
کہاں کی دست رسائی کہاں کا بوس و کنار
کہ اب تو نامہ و پیغام بھی نہیں آتا
بہت پسند تھیں باقرؔ کو رنگتیں گوری
پر اب تو کوئی سیہ فام بھی نہیں آتا

O

بارِ احساں کب اُٹھایا ہے کسی اُستاد کا
ہے مِرا ذوقِ سُخن ورثہ مِرے اجداد کا

واسطہ حاکم سے یوں ہے قوم کے افراد کا
جیسے سب مجرم ہیں ہم اور سامنا جلّاد کا

ظلم جو اپنوں پہ کرتے ہیں وہ سب اپنے ہی ہیں
کیا گلہ کیجے کسی سے داد کا بیداد کا

میں تو جب تک ہوں جہاں ہوں اس کے بام و در میں ہوں
یہ محبت ہی تو پتھر ہے مِری بنیاد کا

مُسترَد تو جھوٹ ہی ہوتا ہے سچائی کے بیچ
سچ میں ہوتا ہی نہیں ہے خوف اِسترداد کا

ہو کُشادہ میرے بچوں پر مِرا ہی دستِ فیض
اے خدا مجھ پر نہ احساں ہو مِری اولاد کا

اِس دماغوں کے جہاں میں ہوں سراپا دل ہی دل
اِک محبت ہی خلاصہ ہے مِری روداد کا

کچھ مری نیکی بدی میں یہ بھی ہے میرا شریک
کیا مِرے کرنے میں ہونا ہے مِرے ہمزاد کا
نامور عاشق جہاں کے نقشِ عبرت بن گئے
کیا اثر ہوگا کسی پر عشق کی روداد کا
گر محبت ہے گنہہ میں بھی گنہہ گاروں میں ہوں
ایک ہے میرا مقولہ ہر چہ بادا باد کا
کاش باقرؔ دیکھ سکتے اُس کو بھی اہلِ نظر
میرے شعروں پر جو اِک غیبی نشاں ہے صاد کا

قطعہ

بستی میں قتلِ مکرر ہے دوستو
جینا اسی فضا میں مقدر ہے دوستو
اہلِ چمن کے خوں سے چمن لالہ زار ہے
ایک اور انقلاب مقرر ہے دوستو

O

پاس رکھتے ہیں مہ جبینوں کا
دل دُکھاتے نہیں حسینوں کا

شکر ہے اب بھی ربط باقی ہے
سجدہ گاہوں کا اور جبینوں کا

گھر سروں پر اُٹھائے پھرتے ہیں
کون ہوتا ہے بے زمینوں کا

ہم نشینی الگ مزاج الگ
کیا گِلہ کیجیے ہم نشینوں کا

جو بھی دکھلایا جائے دیکھتے ہیں
کیا قصور ان تماش بینوں کا

جن کے وہم و گماں مزاج میں ہوں
کیا علاج ایسے بے یقینوں کا

ٹوٹنا دل کا کیا بیاں کیجئے
پھوٹنا جیسے آبگینوں کا

اب مضامین کے کہاں انبار
رہ گیا ذکر خوشہ چینوں کا
اس تنوع میں پاس کون رکھے
اپنے اسلاف کے قرینوں کا
آدمی سے روبوٹ آگے ہے
اب زمانہ ہوا مشینوں کا
وقت کا شوقِ کم لباسی تو
دامنوں کا نہ آستینوں کا
عیب جوئی بنا ہے فن باقرؔ
ہو بُھلا میرے نکتہ چینوں کا

O

سیاہ زلفوں کے بادلوں سے جو دن میں وہ ماہتاب نکلا
تو شب کے مارے پُکار اُٹھے کہ رات میں آفتاب نکلا

بہت تھے جاہ و حشم کے مالک عرب کے بدّ و معاشرے میں
جو شخص بھیڑیں چُرا رہا تھا وہی رسالت مآب نکلا

محبتوں کی طلب میں نکلو تو اس کے آداب بھی برتنا
تو پھر سمجھنا کہ شاخِ جاں پر کلی کِھلی اور گُلاب نکلا

طرح طرح کے فریب کھا کر یہ قوم مایوس ہو چلی تھی
انہیں سیاست کی گردشوں سے سوال اُٹھے جواب نکلا

ہم اہلِ دل کی مصیبتوں کو اُسی نے سمجھا اُسی نے جانا
وہ ایک بے لوث راہبر جو سجا کے آنکھوں میں خواب نکلا

یہ رہبروں کا ہجوم تو ہے پر ان میں رہبر کوئی نہیں ہے
ہر ایک کو شوقِ رہبری تھا جو گھر سے خانہ خراب نکلا

سنا تو یہ تھا ہمارے رہبر مُسن ہیں دانا ہیں رہبری میں
جب ان کے ذہنوں کی عمر دیکھی تو بچپنے کا شباب نکلا

کوئی تو ان رہبروں میں ہوتا جو یوں نکلتا کہ دنیا کہتی
کوئی تو ایسا بھی باحیا تھا جو شرم سے آب آب نکلا

O

وہ جس میں علم و ہُنر نہیں تھا وہ بے ہُنر کامیاب نکلا
کہیں بھی جس کی جگہ نہیں تھی وہ ہر جگہ باریاب نکلا

خدا کے گھر سے نکل کے سیدھا گیا تھا آغوشِ مصطفیٰؐ میں
وہ آسمانوں کا نور تھا جو زمین پر بوتراب نکلا

جو نعمتیں ہم کو مل رہی ہیں اُنہیں بھی لوٹانا ہے ضروری
جنہیں یہ سیراب کر رہا ہے اُنہیں زمینوں سے آب نکلا

جہالتیں تو بھری پڑی تھیں بھلا انہیں کون منہ لگاتا
اُسی کو دنیا نے سر پہ رکھا جو گھر سے پڑھ کر کتاب نکلا

قلم کو قدغن سے پاک رکھا تو فکرِ آزاد رنگ لائی
بھلے سخن اُس نے ایسے لکھے کہ شاعرِ انقلاب نکلا

کوئی تو اُٹھے جو آ کے ہم کو یہ مژدۂ جاں فزا سُنائے
چھٹا اندھیرا ستارے ڈوبے سَحر ہوئی آفتاب نکلا

لگی رہی خواہشِ نمائش ہر ایک نیکی کے ساتھ باقرؔ
ہماری نیت کی کھوٹ تھی جو عذاب آیا ثواب نکلا

O

جس پر کسی حسین کا حُسنِ نظر ہوا
وہ بزمِ مہ رُخاں میں بڑا معتبر ہوا

سب مہروماہ مہرومحبت کے ساتھ ہیں
پیدا شعاعِ مہر سے نورِ سَحر ہوا

پھولوں پہ رنگ آ گیا غنچوں میں تازگی
لگتا ہے پھر چمن سے صبا کا گذر ہوا

نظریں ملیں تو مل گیا دل کو بھی اعتبار
دل کا معاملہ بھی نصیبِ نظر ہوا

پہلی نظر تو آنکھ سے جاں میں اُتر گئی
پھر ایسا تجربہ نہ کبھی عُمر بھر ہوا

دل ہے تو دل میں دردِ محبت بھی ہے ضرور
اس درد سے نہ صاحبِ دل کو مفر ہوا

وہ سرخرو ہوا جسے سودائے عشق تھا
مجنوںؔ کو دیکھ لیجئے مر کر امر ہوا

دن عارضوں کی دھوپ تھے زلفیں سیاہ رات
میرا قیام گرچہ وہاں مُختصر ہوا
کوئی مکان رہنے کو دل سے بَھلا نہ تھا
دل سے نکل گیا جو وہی دَر بَدر ہوا
اُس کا ہر ایک لمحہ بڑا کربناک تھا
وہ وقت جو بغیر تمھارے بسر ہوا
منظر نظر کُشا تھے نگاہوں کی عید تھی
حُسنِ نظر گیا جو یہ ضُعفِ بَصر ہوا
باقرؔ کو بھی لباسِ کتاں یاد آ گیا
جب چودھویں کی رات طلوعِ قمر ہوا

O

جو ہم سفر نہ تھا وہ شریکِ سفر ہوا
ہونا یہ چاہیے تو نہیں تھا مگر ہوا

عزت اُسے ملی جو صفِ دشمناں میں تھا
جو دوستوں میں رہتا تھا صَرفِ نظر ہوا

لوٹائی مہر ہی سے محبت کی ہر نگاہ
ہر پیار کی نگاہ کا دل پر اثر ہوا

اُس کو بہشت مل گئی دنیائے زشت میں
بے گھر کوئی جو صاحبِ دیوار و دَر ہوا

دریا محبتوں کے چڑھے اور اُتر گئے
وہ سیلِ آب تھا کہ سفینہ بھنور ہوا

سائے کا کچھ خیال کسی نے کیا نہیں
پتھر وہیں گرے جو شجر با ثمر ہوا

سب بادشاہتوں میں ہے تاریخ ظلم کی
ورنہ جہاں میں کون کہاں مُقتدر ہوا

باتیں حرم کی اس لیے کرتے ہیں شیخ جی
ڈر ہے کہ اقتدار اِدہر سے اُدھر ہوا
اُس سورما نے رکھی قبیلے کی آبرو
اپنے لہو میں ڈوب کے جو معتبر ہوا
مٹی پلید ہوگئی آدم کی بھول سے
کن بد نصیبیوں کے حوالے بشر ہوا

قطعہ

دوستی کا صلہ نہیں دیتے
اپنے دل کی ہوا نہیں دیتے
دوستوں سے توقعات نہ رکھ
دوست تو راستہ نہیں دیتے

O

ہم نے دل اپنا تم سے صاف کیا
اب گلے مِل لو سب معاف کیا

اُس کا دنیا نے چین چھین لیا
جس نے چاہت کا اعتراف کیا

اُن کی چاہت میں ڈوب کر ہم نے
ساری دنیا سے انحراف کیا

دل کی بازی بتوں سے ہار کے ہم
بیٹھے مسجد میں اعتکاف کیا

کچھ محبت میں احتیاط نہ کی
جو کیا کُھل کے صاف صاف کیا

دوسروں کے خلاف کیا کرتے
جو کیا اپنے ہی خلاف کیا

رند نے جو کہا وہ مان لیا
مولویوں سے اختلاف کیا

اِس کی ہر ہر قدم ضرورت تھی
ہم نے قرآن کو غلاف کیا

کیا عجب جرمِ بے گناہی تھا
بے خطا جس کا اعتراف کیا

اور کیا ہم سے ہوسکا باقرؔ
حُسن کو عشق کے خلاف کیا

قطعہ

وقت آئے تو ٹَل نہیں سکتا
گرنے والا سنبھل نہیں سکتا
وقت جو فیصلہ سناتا ہے
اُس کو کوئی بدل نہیں سکتا

میر تقی میرؔ کی زمین میں

O

دل سے احساسِ رنگ و بو نہ گیا
شوقِ خوبانِ خوبرو نہ گیا

دل کی اُفتاد ہی کچھ ایسی تھی
آ گیا جو وہ پھر کبھو نہ گیا

سچی باتیں غزل نے خوب کہیں
شاعری سے مگر غلو نہ گیا

ہیں حرم اور بادشاہت اور
یہ سخن اب بھی کو بہ کو نہ گیا

شیخ کا احترام واجب ہے
میکدہ میں بھی بے وضو نہ گیا

دوستوں ہی نے کام کر ڈالا
دشمنی کے لئے عدو نہ گیا

خوش نظر تھا دیارِ ہم سخناں
سب تھے باقرؔ وہاں پہ تو نہ گیا

O

لطفِ امید و آرزو نہ گیا
دل سے اے شوقِ وصل تو نہ گیا

مہ جبینوں کے رنگ بھی ہیں عجب
پیار کا ڈھنگ جن کو چھو نہ گیا

دل گیا اور مہ وشوں کی طرف
ہاں مگر تیرے رو بہ رو نہ گیا

کس طرح سرخرو ٹھہرتے ہم
کچھ پسینہ گرا لہو نہ گیا

کس کے ہاتھوں کا تھا یہ کارِ ہُنر
پیرہن پھٹ گیا رفو نہ گیا

یوں ہی ہوتے نہیں خدائے سخن
میر* کا میر پن کبھو نہ گیا

ـــــ

*میر تقی میر

O

ہیں وہ خوش وقت جو ہیں حُسنِ حسیناں کے قریب
رامش و رنگِ بہاراں ہے گلستاں کے قریب

دین سے دور ہی آج کی دنیا لیکن
آ رہی ہے یہ بہت مسلکِ انساں کے قریب

تم پہ کھل جائے گا سب عرش نشینی کیا ہے
آ کے بیٹھو تو کبھی فرش نشیناں کے قریب

کیا پتہ کون کہاں دل کے قریں آ جائے
رہیے ہر آن کسی صورتِ امکاں کے قریب

ہجر کے روز کٹے وصل کی راتیں آئیں
درد بھی ہے وہی اچھا جو ہو دَرماں کے قریب

جس سے ہو جتنا تعلق وہ قریں ہو اُتنا
میرا اللہ تو ہے میری رگِ جاں کے قریب

اُتنی اللہ سے بڑھتی گئی دوری ان کی
جتنے اللہ کے بندے ہوئے شیطاں کے قریب

خالقِ حُسن نے بھر دی ہے بتوں سے دنیا
ہم بھی رہتے ہیں کسی دشمنِ ایماں کے قریب

O

جو گذرنی تھی وہ گذری ترے دیوانوں پر
اور کچھ بس نہ چلا کھیل گئے جانوں پر

حُسن جب تک ہے حکایاتِ جنوں باقی ہیں
گرد پڑتی ہی نہیں عشق کے افسانوں پر

جتنی چاہت کی تمنا ہوئی اُتنا چاہا
خاک ڈالی نہ کبھی حُسن کے ارمانوں پر

یہ تو ساقی کی خوشی ہے جسے چاہے دے دے
نام لکھے تو نہیں ہوتے ہیں پیمانوں پر

خواہشِ خُلد میں یوں کرتے ہیں دہشتگردی
خود کشی فرض ہوئی جیسے مسلمانوں پر

وقت نے محفلیں اس طرح اُجاڑی ہیں کہ اب
منحصر صحبتِ یاراں رہی امکانوں پر

انبیاء جاچکے سب حجتیں پوری کر کے
اب صحیفے تو اترتے نہیں انسانوں پر

خوش قلم ہوتے ہیں اُس قوم کے لکھنے والے
گرد جمنے نہیں دیتے جو قلمدانوں پر
جو لکھیں سچ لکھیں اور سچ کے سوا کچھ نہ لکھیں
کبھی یہ فرض بھی عائد ہو سخن رانوں پر
شمع محفل کی ہو یا گھر کی ہو یا قبر کی ہو
جو گذرنی ہے گذر جاتی ہے پروانوں پر
صرف احسان ہے احسان کا بدلہ باقرؔ
سبقت اس سے ہے انسان کو حیوانوں پر

قطعہ

حُسن کے طور دیکھتے رہیے
دیکھیے اور دیکھتے رہیے
ہم کراچی میں مر بھی جائیں تو کیا
آپ لاہور دیکھتے رہیے

O

اُس نے دستِ ناز سے یوں زلف لہرائی کہ بس
عارضوں کی دھوپ پر ایسی گھٹا چھائی کہ بس

ایک اِک منظر تھی ایسی منظر آرائی کہ بس
منظروں نے دی نظر کو ایسی بینائی کہ بس

اس طرح کا حُسنِ قاتل کم ہی ہوتا ہے نصیب
اُس کو خالق سے ملی تھی ایسی رعنائی کہ بس

ایک دن اُس شوخ کے گھر ساتھ اُس کے کیا گئے
پھر تو اُس کے در پہ کی ایسی جبیں سائی کہ بس

ڈوبتے جانے کی خواہش دل سے جاتی ہی نہ تھی
ہم نے اُن آنکھوں میں دیکھی ایسی گہرائی کہ بس

سب ہی تھے محفل میں لیکن جانِ محفل تھا وہی
اُس کے دَم سے تھی کچھ ایسی بزم آرائی کہ بس

دیکھتی آنکھوں کو دیکھا پھر تو وہ جانِ جہاں
دیکھ کر اپنا بدن خود ایسی شرمائی کہ بس

کان میں رس گھولتا نغمہ تھا یا دیپک کا راگ
اس نے جسم و جاں پہ ایسی آگ برسائی کہ بس

بھر گئے جلووں سے منظر آئینے حیراں ہوئے
اُس بُتِ سیمیں کی چاہت ایسی راس آئی کہ بس

بولتی آنکھیں لرزتے ہونٹ خوش قامت بدن
دیکھ کر اُس کو طبیعت ایسی للچائی کہ بس

وہ پھبن وہ اُس کا سُندر پن وہ اسکے ٹھاٹھ باٹ
آنکھ جھپکی بھی نہیں تھی ایسی زیبائی کہ بس

صحنِ گلشن میں ہر اِک نازک خرامی ہیچ تھی
پھول سے پاؤں میں تھی ایسی سبک پائی کہ بس

جانے کیا سوچا کہ سُنتے ہی مری عرضِ طلب
سُرخ عارض ہوگئے ایسی حیا آئی کہ بس

نصف شب بیتی تو محفل پر بھی جوبن آگیا
پھر تو اُس نے جھوم کر ایسی غزل گائی کہ بس

چشمِ حیرت ایک اِک منظر پہ غرقِ دید تھی
آنکھ ہر منظر کی تھی ایسی تماشائی کہ بس

جب سُنا کہ مجھ کو مارا ہے اُسی کے ہجر نے
پھر مسیحا نے بھی کی ایسی مسیحائی کہ بس

تو نے پتھر کو کیا جب موم اے حُسنِ غزل
پھر تو شاعر کی ہوئی ایسی پذیرائی کہ بس

ہاتھ مَس ہوتے ہی یوں دستِ کرم اُس کا بڑھا
جو بھی خواہش دل میں تھی پھر ایسی بر آئی کہ بس

دیدنی تھا وصل کی شب اُس بدن کا انگ انگ
اُس نے خود کو دیکھ کر لی ایسی انگڑائی کہ بس

اپنے اپنے زعم میں ہر بت بنا تھا اِک خدا
تھی بتوں میں بھی خدا کے ایسی یکتائی کہ بس

تھوک دیتی تھی زمیں پر طالبوں کے نام پر
حُبِ مولا میں وہ تھی ایسی تولائی کہ بس

سُن کے مجھ سے منقبت مولاؑ کی وہ تو جھوم اُٹھی
تھی عقیدت میں وہ کچھ ایسی ہی مولائی کہ بس

دشمنِ حیدرؑ پہ لعنت بھیجتی تھی بار بار
وہ تولاّئی بنی ایسی تبرائی کہ بس

کب کسی میں ایسی ہمت تھی کہ وہ لب کھولتا
برہمی سے اُس نے ایسی آنکھ دکھلائی کہ بس

پھر کسی سے کیا تعلق اور ہوتا شہر میں
تھی برابر میں ہمارے ایسی ہمسائی کہ بس

سُن کے اپنے حُسن کی تعریف آپے میں نہ تھی
کیا کہوں پھر تو وہ گوری ایسی اترائی کہ بس

آج جب اُس راہ سے گذرا تو دیکھا بھی نہیں
کل جو کرتا تھا مری ایسی پذیرائی کہ بس

عشق کے رستے پہ چلتے کیسے ہم سے کم عیار
حُسن کے بازار میں تھی ایسی مہنگائی کہ بس

کچھ بھلی باتیں کہیں اور کم سخن چُپ ہوگیا
دیر تک بجتی رہی کانوں میں شہنائی کہ بس

پھر مریضِ ہجر کا جینا ہی دوبھر ہوگیا
پھر فراقِ یار نے دی ایسی تنہائی کہ بس

جب وہ آمادہ ہوا سُننے کو میرا حالِ دل
سلب کی تقدیر نے پھر ایسی گویائی کہ بس

یہ جو باقرؔ آج ہم سے اجنبی بن کر ملا
تھی کبھی اُس شوخ سے ایسی شناسائی کہ بس

O

از مکاں تا بہ لا مکاں ہے غزل
دیکھیے تو کہاں کہاں ہے غزل

O

جو گوشِ دل سے جلائیں سماعتوں کے چراغ
اُنہیں سے رہتے ہیں روشن محبتوں کے چراغ

نگاہ کے لیے دونوں بہت ضروری ہیں
بصارتوں کے دیے اور بصیرتوں کے چراغ

یہ وہ چراغ ہیں جو خونِ دل سے جلتے ہیں
تبھی تو گُل نہیں ہوتے محبتوں کے چراغ

انہیں کے دم سے ہیں انساں کی رفعتیں قائم
جو آندھیوں میں جلاتے ہیں ہمتوں کے چراغ

نہیں ہے پاس روایت تو ہیں چراغِ سحر
جدید عہد میں بجھتے قدامتوں کے چراغ

ہمارے بعد اندھیرا ہے دل کی بستی میں
ہمیں تو ہیں جو جلاتے ہیں چاہتوں کے چراغ
زمانہ ہوگیا اب خاک و خوں کا ختم ہو کھیل
کوئی تو بڑھ کے بجھائے یہ دہشتوں کے چراغ

خدا کرے کہ فروزاں رہیں قیامت تک
جو طاقِ جاں میں ہیں روشن محبتوں کے چراغ
اُنہیں دلوں سے حقیقت کی روشنی پھیلی
جو اہلِ دل نے جلائے صداقتوں کے چراغ
یہ روشنی تو نہیں ظلمتیں بڑھاتے ہیں
تعصبوں کے دیئے اور جہالتوں کے چراغ
عقیدتوں کی تو دنیا دلوں کی دنیا ہے
سو کر رہے ہیں چراغاں عقیدتوں کے چراغ
چلیں ہزار زمانے کی آندھیاں باقرؔ
نہ گُل ہوئے کبھی لیکن محبتوں کے چراغ

O

دل پر جو گذرتی ہے گذاروں گا کہاں تک
اِک جان ہے ہر ایک پہ واروں گا کہاں تک

بدلے ہوئے انداز ہیں بدلے ہوئے چہرے
میں روپ کے بہروپ بھی دھاروں گا کہاں تک

سوچا ہے کہ اب عہدِ وفا توڑدوں میں بھی
مُردار ضمیروں کو پکاروں گا کہاں تک

نفرت کی فضاؤں میں تعصب کی ہے لعنت
جذباتِ اخوت میں ابھاروں گا کہاں تک

دنیا کی غلامی نے مجھے مار دیا ہے
گردن میں پڑے طوق اُتاروں گا کہاں تک

کیوں روشنی عقل سے لیتے نہیں کچھ کام
کجلائے ہوئے ذہن اُجالوں گا کہاں تک

قرآن و پیمبرؐ سے تو سدھری نہیں دنیا

میں کون ہوں دنیا کو سدھاروں گا کہاں تک
احباب نے میرے مجھے سر آنکھوں پہ رکھا
میں قرض محبت کے اُتاروں گا کہاں تک
یہ سچ ہے کہ کارِ سخن آساں نہیں باقرؔ
میں نوک پلک اس کی سنواروں گا کہاں تک

O

کسی کی راہ پر چلتا نہیں ہوں
میں اپنی راہ سے بھٹکا نہیں ہوں
یہی ہے فرق مجھ میں اور سب میں
جو سب کرتے ہیں میں کرتا نہیں ہوں
کوئی مجھ کو بُرا سمجھے تو سمجھے
نظر میں اپنی بھی اچھا نہیں ہوں
خوشی میں بھی نکل آتے ہیں آنسو
میں رو دیتا ہوں گر ہنستا نہیں ہوں
جو پڑتی ہے وہ سہہ لیتا ہوں چپ چاپ
جو دل میں ہے میں وہ کہتا نہیں ہوں

مجھے پانا کوئی مشکل نہیں ہے
میں جنسِ عام ہوں عنقا نہیں ہوں
مجھے بیماریاں گھیرے ہوئے ہیں
خدا کے فضل سے اچھا نہیں ہوں

جو اچھے ہیں وہ سب لگتے ہیں اچھے
میں یہ کہنے سے شرمندہ نہیں ہوں
ابھی کشتیءِ جاں کھینی ہے مجھ کو
ابھی طوفان سے نکلا نہیں ہوں
زباں کرتی ہے باقر شکرِ باری
میں ناشکرا مرے مولا نہیں ہوں

قطعہ

کیا خوب ہیں دوستی کے رشتے

دانستہ قریب آرہے ہیں

وہ ہے کہ فریب دے رہا ہے

ہم ہیں کہ فریب کھا رہے ہیں

O

وہ صبح کی باتیں ہوں کہ ہوں شام کی باتیں

کیجے اچھی تو ہوا کرتی ہیں بس کام کی باتیں

کانوں میں جو پڑتی ہیں اب اسلام کی باتیں

یہ دین کی باتیں ہیں کہ دُشنام کی باتیں

جس شہر میں ہوں وحشت و آلام کی باتیں

کیا کسی آئینہ اندام کی باتیں

لگتی ہیں بھلی رند و مے و جام کی باتیں

غالبؔ کی ہوں یا حافظؔ و خیامؔ کی باتیں

فرصت ہو زمانے سے تو آجائیں کسی دن

کچھ آپ سے کرنی ہیں بڑے کام کی باتیں

یہ روز کا معمول ہے حیرت نہیں ہوتی
آرام سے سُن لیتے ہیں آلام کی باتیں
وحشت کے در و بام میں کچھ بھی نہ رہا یاد
بھولیں نہ محبت کے در و بام کی باتیں

جو فصل زیادہ ہو سمندر میں بہا دو
اچھی نہیں لگتیں یہ چچا سام کی باتیں
کیا بات ہے اُس شوخ کے ملبوسِ بدن کی
حاجی کے لئے جیسے ہوں احرام کی باتیں
آجاتا ہے چوسے کا دسہری کا وطن یاد
جب کرتا ہے بھولے سے کوئی آم کی باتیں
سچ ہے جو یہ سمجھو کہ خدا بول رہا ہے
جب شعر میں باقر کے ہوں الہام کی باتیں

قطعہ

تمھاری طرح نہ ہوں پر عجب نہیں ہم لوگ
چراغِ شب ہیں یونہی بے سبب نہیں ہم لوگ
زمانہ ہم کو حقارت سے دیکھتا کیسے
کہ کم نصیب سہی، کم نسب نہیں ہم لوگ

O

یوں رہے حُسن کی نگاہوں میں
بے گنہ جیسے قتل گاہوں میں
رونقیں کم کبھی نہیں ہوتیں
حُسن والوں کی بارگاہوں میں
اب تو پہچان ہے برہنہ سری
کبھی ہم بھی تھے کج کُلاہوں میں
وہ زمانہ بھی کیا زمانہ تھا
جھولتے تھے جب اُس کی باہوں میں
لوگ پڑھتے ہیں آج کا اخبار
سسکیوں میں کبھی کراہوں میں

جب سے دیکھا ہے اُس کی آنکھوں کو
حُسن ہی حُسن ہے نگاہوں میں

دل کی راہوں پہ چل کے دیکھو تو
پیار ہوتا ہے دل کی راہوں میں

اتنی لذت عبادتوں میں کہاں
جتنی دیکھی گئی گناہوں میں

مسجدیں تھیں کبھی اماں کی جگہ
قتل و خوں ہے اب ان پناہوں میں

مدرسے ہیں کہ دارِ وحشت ہیں
گھر گئے ہیں عجب سپاہوں میں

دین کے نام پر قتال و جدال
بڑھتا جاتا ہے درسگاہوں میں

مہ وشوں کی نوازشوں کے طفیل
کس طرح ہوں گے بے گناہوں میں

باقرؔ اب خیر کی دُعا مانگیں
گھر گئے آپ خیر خواہوں میں

O

کم نہیں ہوگی کبھی وہ پیار کی مایا ہوں میں
کتنے دل ہیں میرے دل میں پھر بھی کیا تنہا ہوں میں

کب کوئی لوٹائی ہے میں نے محبت کی نظر
کب کسی کے پیار کی نظروں سے گھبرایا ہوں میں

لوگ کیوں دیتے نہیں نیکی کا نیکی سے جواب
نیکیاں کر کر کے کتنی بار پچھتایا ہوں میں

اعترافِ عشق اب اتنا بھی آساں تو نہ تھا
اپنے دل کی بات بھی مشکل سے کہہ پایا ہوں میں

یہ وہی سمجھیں گے جن کو مجھ سے ہے پانی کی چاہ
اِک کنواں ہوں اِک سمندر ہوں کہ اِک دریا ہوں میں

بوترابی ہوں مجھے بھی کچھ زمینِ قبر دے
اے زمیں تجھ پر فرازِ عرش سے آیا ہوں میں

اِک گناہوں کا پلندہ سر پہ ہے زادِ سفر
میں تو خالی ہاتھ آیا تھا یہ کیا لایا ہوں میں

آفتابِ وقت کی حِدّت سروں پر ہے مگر
کچھ تو وہ بھی ہیں کہ جن پر دھوپ میں چھایا ہوں میں

اپنے کرتوتوں پہ شرمندہ یہ باقرؔ کون ہے
سامنے ہمزاد کا چہرہ ہے میرے یا ہوں میں

O

اگرچہ یہاں لوگ ویلے بہت ہیں
مگر زندگی کے جھمیلے بہت ہیں
نہ ساتھی ہے کوئی نہ قربت کسی کی
سو ہم زندگی میں اکیلے بہت ہیں
کبھی قربتیں بھی میسّر ہوں یارب
یہ دوری کے دُکھ ہم نے جھیلے بہت ہیں
جہاں کل حسینوں کے جھرمٹ لگے تھے
اُسی شہر میں ہم اکیلے بہت ہیں
ڈراتے ہو کیوں عشق کی مشکلوں سے
یہ پاپڑ تو ہم نے بھی بیلے بہت ہیں
یہ گاؤں اُسی کا ہے مُکھیا اُسی کا
اکیلا گُرو جس کے چیلے بہت ہیں
یہاں میٹھی باتیں کریں ہم تو کس سے
یہاں لوگ کڑوے کسیلے بہت ہیں
ہر اِک گندگی کو چھپاتے ہیں خود میں
یہاں لوگ مٹی کے ڈھیلے بہت ہیں
کبھی ہم سے دو ہاتھ باقؔر کرو تو
کہ ہم نے بھی یہ کھیل کھیلے بہت ہیں

O

قصوں کی طرح ہیں نہ فسانوں کی طرح ہیں
ہم لوگ زمیں دوز خزانوں کی طرح ہیں

بیگانوں کی صورت نہ یگانوں کی طرح ہیں
احباب میں کچھ لوگ سیانوں کی طرح ہیں

اخلاص کی ڈوری میں جو بندھ جائیں تو تسبیح
یہ لوگ جو بکھرے ہوئے دانوں کی طرح ہیں

وارفتگیٔ شوق میں بچوں سے بھی آگے
اس عہد کے بوڑھے بھی جوانوں کی طرح ہیں

باہر سے یہ کچھ اور ہیں اندر سے ہیں کچھ اور
پتھر کے مکاں آئینہ خانوں کی طرح ہیں

جب دیکھئے رہتے ہیں وہ تبدیلی پہ مائل
کیا کیجیے مزاج اُن کے زمانوں کی طرح ہیں

بے مہر ہوا شہر تو سونے ہوئے دل بھی
اُجڑی ہوئی بستی کے ٹھکانوں کی طرح ہیں

اس عہد میں اس ملک میں یہ پاسِ روایت
کچھ لوگ نئی رُت میں پُرانوں کی طرح ہیں

ہر کارِ مہم کرنے کو تیار ہیں باقرؔ
بوڑھے ہیں مگر عزم جوانوں کی طرح ہیں

O

کچھ حسیں دل کے تقاضوں کو غضب جانتے ہیں
ایسے بھی ہیں جو انہیں لہو و لعب جانتے ہیں

زندگی کرنے کا دنیا میں جو ڈھب جانتے ہیں
اپنے اجداد کا بھی نام و نسب جانتے ہیں

رات سونے کو ترس جاتی ہیں آنکھیں اُن کی
اُس کی زلفوں ہی کو جو حاصلِ شب جانتے ہیں

جن کی دانش کو ہوا کرتا ہے منطق کا شعور
بس وہی لوگ مُسبّب کا سبب جانتے ہیں

بیٹھ جاتے ہیں جو مصرعوں میں تو اُٹھ جاتے ہیں
ہم ان الفاظ کا سب نام و نسب جانتے ہیں

کم ہیں وہ لوگ جو تہذیب کے رکھوالے ہیں
سب زمانے کی روایات کو کب جانتے ہیں

اور راہوں سے بہت سہل تھا منزل کا حصول
ہم جو منزل پہ پہنچتے ہیں یہ تب جانتے ہیں

کیا ہے شیریں دہنی کیا ہے زبانوں کی مٹھاس
اُس کے ہونٹوں سے جو ملتے ہیں وہ لب جانتے ہیں

دست و پا میں نہ رہا دَم تو ہوا ہے معلوم
زندگی بھر جو نہ جانا تھا وہ اب جانتے ہیں

زندگی وہ ہے جو ہر حال میں ہوتی ہے بَسر
موت آجاتی ہے جب سر پہ یہ تب جانتے ہیں

سب پہ باقرؔ کے مراتب نہیں کُھلتے لیکن
اس کو کچھ مرثیہ گویانِ ادب جانتے ہیں

قطعہ

زنداں نہیں دیکھے کہ سلاسل نہیں دیکھے
خونی نہیں دیکھے کہ مقاتل نہیں دیکھے
نسلوں کی تباہی پہ پشیماں بھی نہیں ہیں
آگے کہیں اس وضع کے قاتل نہیں دیکھے

O

ذہن جو سازشوں میں رہتے ہیں
منہمک شورشوں میں رہتے ہیں

حُسن کی تابشوں میں رہتے ہیں
نور کی بارشوں میں رہتے ہیں

آرزوئیں ہیں دھڑکنیں دل کی
نفس کی خواہشوں میں رہتے ہیں

بھول کر بھی کسی کا دل نہ دُکھائیں
ہم انہی کوششوں میں رہتے ہیں

اب کہیں بھی نہیں ہے آزادی
لوگ سب بندشوں میں رہتے ہیں

اس سے کیسے نجات ممکن ہے
وقت کی گردشوں میں رہتے ہیں

کبھی ہم پر بھی مہرباں تھے حسیں
اب مگر رنجشوں میں رہتے ہیں

کیا عجب ہیں یہ حضرتِ باقر
بے پیئے مے کشوں میں رہتے ہیں

O

صبح رکھتے ہیں شام رکھتے ہیں
حُسن والوں سے کام رکھتے ہیں

خواہشیں بے لگام رکھتے ہیں
زندگی تیز گام رکھتے ہیں

کیوں کسی کے پھٹے میں پیر اڑائیں
کام سے اپنے کام رکھتے ہیں

جانتے ہیں وہی ادب آداب
جو دعا و سلام رکھتے ہیں

ساری دُنیا ہے خیر و شر میں گھری
سب حلال و حرام رکھتے ہیں

پھر تو بچے بھی ویسے ہوتے ہیں
جیسے آپ ان کے نام رکھتے ہیں

جن کا دُنیا میں کچھ مقام نہیں
وہ بھی کوئی مقام رکھتے ہیں

اب تو لمحوں میں کام ہوتا ہے
لوگ اب ڈاٹ کام رکھتے ہیں
اپنے کرتوت دیکھتے نہیں ہم
ساری دُنیا پہ نام رکھتے ہیں
اُن کو آسودگی نہیں ملتی
کام جو ناتمام رکھتے ہیں
کام ہوتے ہیں میرے شہر میں تب
جب ہتھیلی پہ دام رکھتے ہیں
ہے بزرگی اُنہیں کا حق باقرؔ
اپنا جو احترام رکھتے ہیں

O

آج ہم بارِ امانت جو سنبھالے ہوئے ہیں
اپنے اسلاف کی تہذیب کے ڈھالے ہوئے ہیں

یاد آتی ہے تری مٹی کی سوندھی خوشبو
اے وطن ہم بھی تری گود کے پالے ہوئے ہیں

قتلِ خلقت کی تو حاکم کو نہیں فکر کوئی
خوں بہا دے کے سمجھتا ہے ازالے ہوئے ہیں

ہائے اس شہرِ تمنا میں گرانباریٔ رزق
دو نوالوں کیلئے جان کے لالے ہوئے ہیں

بے خطا لوگوں کو جو مار کے مرجاتے ہیں
اِن کی تحریص کو جنت کے قبالے ہوئے ہیں

جن کے ہوجانے سے ہوجاتی ہیں قومیں تقسیم
ہم انہی باتوں کے ہونے کو تو ٹالے ہوئے ہیں

نفرتیں رکھ نہ سکیں گوروں کی خواہش کا بھرم
مقتدر ملک کے تقدیر سے کالے ہوئے ہیں

دیر لگتی ہے کہاں وقت کی ٹھوکر لگتے
ہم بہت دیر سے اپنے کو سنبھالے ہوئے ہیں

کام مشکل ہے مگر خیر سے باقرؔ ہم بھی
اپنی تقدیسِ روایت کو سنبھالے ہوئے ہیں

O

شہر کے لوگ جو قاتل کے حوالے ہوئے ہیں
حاکمِ وقت کی دانش کے دِوالے ہوئے ہیں

کچھ تو معلوم ہو ہے کون مُربّی اپنا
کس سے ہم چھن گئے اب کس کے حوالے ہوئے ہیں

ان طلاقوں سے بھی مُلّا کو ملا رزقِ حلال
نام لے لے کے شریعت کا حلالے ہوئے ہیں

مضطرب شوقِ طلب نے مجھے رکھا لیکن
دل کی تسکیں کا سبب پاؤں کے چھالے ہوئے ہیں

جن کو کچھ علم نہیں ہے کہ محبت کیا ہے
خیر سے وہ بھی ترے چاہنے والے ہوئے ہیں

آئینہ خانے سلامت رہیں مشکل ہے بہت
وقت کے ہاتھوں نے پتھر جو اُچھالے ہوئے ہیں

ایک اِک حرف ہے تحریر کا اِک ایک کرن
اے قلم یہ ترے سورج کے اُجالے ہوئے ہیں

O

اپنی تاریخ کا پرچم جو اُٹھائے ہوئے ہیں
اپنی تہذیب و روایت کو بچائے ہوئے ہیں

مجھ کو سائے سے نہ ناپو مرا پیکر دیکھو
سر پہ سورج ہے تو چھوٹے مرے سائے ہوئے ہیں

نا امیدی کی ہوائیں نہ بجھادیں ان کو
آس کے دیپ جو طاقوں میں سجائے ہوئے ہیں

اپنا حق لینے کو کب تک نہیں اُٹھتے مظلوم
جو بہت چُپ تھے وہ اب دھوم مچائے ہوئے ہیں

ہاتھ آیا ہے انہی کے تو کنایوں کا طلسم
جو حسینوں کو اشاروں پہ نچائے ہوئے ہیں

کل میں ناکامِ تمنا تھا تو ساتھی تھے مرے
یہ سبھی اپنے ہیں جو آج پرائے ہوئے ہیں

جس کو دیکھو وہی پنجوں پہ کھڑا ہے باقرؔ
اور اِک ہم ہیں کہ قد اپنا گھٹائے ہوئے ہیں

O

وہ تو اس طرح مرے دل میں سمائے ہوئے ہیں
سوچ بن کر مرے اعصاب پہ چھائے ہوئے ہیں

تیرے پہلو سے جو ہم خود کو ہٹائے ہوئے ہیں
تجھ کو دنیا کی نگاہوں سے بچائے ہوئے ہیں

تیری تصویر کو دے دے کے تصور کے لباس
اپنے احساس کے گلشن کو سجائے ہوئے ہیں

اور کس طرح کریں صحبتِ یاراں کا تپاک
دیدہ و دل تو سرِ راہ بچھائے ہوئے ہیں

خالقِ حُسن کی تخلیق ہے سب حُسن ہی حُسن
ہم اِسی حُسن کے دریا میں نہائے ہوئے ہیں

کون کہتا ہے حسینوں کی ہے دُنیا محدود
ہم زمانے کے حسینوں کے ستائے ہوئے ہیں

لب پہ آجائیں تو اِک حشر کا ساماں بن جائیں
وہ تمنائیں جو ہم دل میں چھپائے ہوئے ہیں

کم نہ تھی اُس کی طلب خوف تو اِس بات کا تھا
وہ نہ بگڑے کہیں جو بات بنائے ہوئے ہیں

O

وہ اور کیا ہے جو موجود چاہتوں میں نہیں
بس ایک خوئے وفا اب رفاقتوں میں نہیں

جس اتحاد سے قومیں فروغ پاتیں ہیں
وہ اتحاد ہماری روایتوں میں نہیں

عدالتوں سے بھلا کس طرح ملے انصاف
کہ یہ صفت تو ہماری عدالتوں میں نہیں

خلوص و مہر و وفا اُٹھ گئے زمانے سے اب
یہی سبب ہے کہ گرمی محبتوں میں نہیں

جہاد نام دیا دہشتوں کو مُلّا نے
نصابِ علم تو اس کی ضرورتوں میں نہیں

اکیلے کتنا جیے گا وہ ایک شخص کہ جو
بہت دنوں سے کسی کی رفاقتوں میں نہیں

میں ایسے کاموں سے باقرؔ پناہ مانگتا ہوں
جو مشغلے مرے گھر کی روایتوں میں نہیں

O

گداگری کی ضرورت گداگروں میں نہیں
یہ پیشہ چھوڑدیں اُن کے مقدروں میں نہیں

کبھی جو وقت پہ پیاسوں کے کام آجائے
عجیب ہے کہ وہ پانی سمندروں میں نہیں

جو داد خواہ ستائش کی بھیک مانگتے ہیں
خدا کا شکر میں ایسے سخنوروں میں نہیں

ہمیشہ سامنے رکھنا نظر کے پس منظر
وہ منظروں میں ہے شامل جو منظروں میں نہیں

حضورِ شاہ جو جھکتے نہیں تھے کٹتے تھے
یہ سَر وہی ہیں پہ سودا وہ اب سروں میں نہیں

کہاں سے آئیں گے، مجنوںؔ و وامقؔ و فرہادؔ
وہ بانکپن وہ ادائیں ہی دلبروں میں نہیں

یہ رونقیں بھی ٹھکانے بدلتی رہتی ہیں
گھروں میں رہتی تھیں پہلے پہ اب گھروں میں نہیں

کبھی جو اہلِ ضرورت کو دے اماں باقرؔ
غضب خدا کا مرا گھر بھی اُن گھروں میں نہیں

O

سہانے خواب تھے تعبیرِ خواب دیکھوں تو
محبتوں کے چمن میں گلاب دیکھوں تو

میں انفعال سے خود آب آب ہوتا ہوں
کسی حسیں کو اگر آب آب دیکھوں تو

پتا چلے کہ گنوائی ہے زندگی کیسے
کتابِ زیست اگر باب باب دیکھوں تو

سیاہ زلف کے عارض کی دھوپ پر سائے
وہ بادلوں میں گھِرا آفتاب دیکھوں تو

کبھی نہ قطرہَ مے پھر زباں پہ رکھوں گا
جو اس کے اَنگ میں ہے وہ شراب دیکھوں تو

وہ کون ہے کہ ہو دل جس کا آپ کے قابل
میں آپ کی نظرِ انتخاب دیکھوں تو

یہ پھر رہا ہے بنا معتبر زمانے میں
کبھی میں شیخ کو خانہ خراب دیکھوں تو

ضرور نکلوں گا تعبیر کی تلاش میں بھی
مگر میں پہلے ذرا کوئی خواب دیکھوں تو
کبھی نہ ہو کوئی محرومِ آرزو باقرؔ
دعائیں اپنی اگر مستجاب دیکھوں تو

قطعہ

نظر اُٹھتی ہے سب ہی کی سبھی پر
تو جو جیسا ہے وہ لگتا ہے ویسا
مگر ہٹتیں نہیں اُس سے نگاہیں
انہیں لگتا ہے جو بھی سب سے اچھا

O

زُہرہ وشان شہر میں اپنا کوئی تو ہو
دل ہے تو دردِ دل کا مداوا کوئی تو ہو

جانِ بہار جانِ تمنّا کوئی تو ہو
دنیائے بے مثال میں تم سا کوئی تو ہو

دشتِ ہوس میں پیاس کے ماروں کی بھیڑ ہے
بہتا محبتوں کا بھی دریا کوئی تو ہو

وہ حبس ہے کہ سانس بھی لینا محال ہے
ایسے میں انقلاب کا رستہ کوئی تو ہو

دہشت گروں کے جبر سے سہمے ہوئے ہیں لوگ
ٹوٹے ہوئے دلوں کا سہارا کوئی تو ہو

مرتے ہوؤں کو کوئی نویدِ حیات دے
مُردہ فضا میں دھوم دھڑکا کوئی تو ہو

جو حاکموں کے دستِ مظالم کو توڑ دے
مظلوم بستیوں میں بھی ایسا کوئی تو ہو

مدت سے قہر و جبر کا جاری ہے یہ نظام
اب امن و آشتی کا بھی جادہ کوئی تو ہو

ہم جس سے روئیں بیٹھ کے دُکھڑا کوئی نہیں
اپنا بھی کچھ مزاج شناسا کوئی تو ہو

اچھے بہت ہیں اچھوں سے اچھے بھی کم نہیں
دل کے معاملات میں اچھا کوئی تو ہو

باقرؔ خدا کا نام لو کیا ہوگیا تمھیں
اُلّو بتوں کا چاہنے والا کوئی تو ہو

O

کیا جلد قسم ٹوٹ گئی دیکھئے اُس کی
جو ہم سے نہ ملنے کی قسم کھا کے گیا تھا

O

دل ہے تو ہوں مکین بھی خالی مکاں نہ ہو
ایسا نہ ہو کہ جاں ہو کوئی جانِ جاں نہ ہو

لازم کہیں بھی ہوتا ہے ملزوم کے بغیر
ممکن نہیں کہ آگ لگے اور دھواں نہ ہو

گھر بار چھوڑ کر وہ کہاں جائیں کیا کریں
وہ بد نصیب شہر میں جن کے اماں نہ ہو

گردش میں اس کی حرکتِ نبضِ حیات ہے
کیونکر بھلا بدن میں لہو ہو رواں نہ ہو

راہِ طلب میں ہو کوئی حارج تو خوب ہے
کیا لطف گر رقیب کوئی درمیاں نہ ہو

تم بھی نہ جاؤ کاش وہاں ہم جہاں نہ ہوں
جاتے نہیں ہیں ہم تو وہاں تم جہاں نہ ہو

حرف و بیاں کے حُسن سے بنتی ہے شاعری
کب ہے وہ شاعری جہاں حُسنِ زباں نہ ہو

احساس کی رمق ہو تو ممکن نہیں کبھی
سینے میں دل ہو اور کوئی داستاں نہ ہو
کچھ سال قبل ہم وہ بھرت پور دیکھ آئے
بستی میں مسجدیں تو ہوں لیکن اذاں نہ ہو
باقرؔ یہ مصرع داغؔ کا صادق ہے ہم پہ بھی
اردو ہی وہ نہیں جو ہماری زباں نہ ہو

O

حدیثِ دل ہے تو ہر حال میں سنانی ہے
کچھ اور بَن نہیں پڑتا تو شعر کہتے ہیں

O

شہر میں وہ ہوا چلی ہے کچھ
جان جوکھوں میں پڑ گئی ہے کچھ

آج کل ایسی زندگی ہے کچھ
دل لگی ہے نہ خوش دلی ہے کچھ

بند آنکھیں ہیں اور لب خاموش
دیدنی ہے نہ گفتنی ہے کچھ

اب کہاں گرمیٔ مزاج و نزاج
قلب پر برف سی جمی ہے کچھ

قتل و غارت کا گرم ہے بازار
شہر مدت سے ماتمی ہے کچھ

روشنی گم ہوئی اندھیروں میں
اب اندھیرا ہی روشنی ہے کچھ

ساری باتیں کوئی بتاتا نہیں
کچھ کہی ہے تو ان کہی ہے کچھ

لوگ کُھل کر کہیں نہیں ملتے
جس سے ملیے وہ اجنبی ہے کچھ

کون کس صف میں ہے پتہ تو چلے
دوستی ہے نہ دشمنی ہے کچھ

وہ جو تہذیب تھی بزرگوں کی
اب کتابوں میں رہ گئی ہے کچھ

دل یہ کیوں مطمئن نہیں رہتا
کیا کسی چیز کی کمی ہے کچھ

O

بس اب تو ہم بھی اسی منصفی کے قائل ہیں
کہ جس نے قتل کیا خوں بہا بھی اُس کو ملے

O

پاس اُس کے اگر حُسن کی دولت نہیں ہوتی
ہم کو تو کبھی اُس سے محبت نہیں ہوتی

دل ہوتے اگر واقفِ اسرارِ محبت
آپس میں کبھی لوگوں کو نفرت نہیں ہوتی

جو ذہن رہا کرتے ہیں افکار سے عاری
اُن ذہنوں میں پھر فکر کی طاقت نہیں ہوتی

لمبا ہے سفر عشق کا اور راہ کٹھن ہے
طے ہم سے تو اے دل یہ مسافت نہیں ہوتی

جو راہِ خدا دیتے ہیں ملتا ہے اُنہیں اور
دینے سے کبھی کم کوئی دولت نہیں ہوتی

جس محفلِ جاناں سے اُٹھایا گیا مجھ کو
پھر مجھ کو وہاں جانے کی ہمّت نہیں ہوتی

ماں باپ کی عزت جو نہیں کرتی ہے اولاد
دیکھا ہے کہ پھر اُن کی بھی عزت نہیں ہوتی

میں آج غزل پڑھ کے یہ دیکھوں گا کہ باقر
کس طرح مری شہر میں شہرت نہیں ہوتی

O

اپنے اسلاف کے آثار ہیں، باقر زیدی
صاحبِ "لذتِ[1] گفتار" ہیں، باقر زیدی

سب کے ہی مونس و غمخوار ہیں باقر زیدی
آپ بے یار و مدد گار ہیں باقر زیدی

نہ ولی اور نہ اوتار ہیں باقر زیدی
ابنِ آدم ہیں خطا کار ہیں باقر زیدی

خود کسوٹی ہیں وہ معیار ہیں باقر زیدی
شعر کی جنسِ گراں بار ہیں باقر زیدی

یہ نہیں کِشتِ سخن میں کہیں عاری ہرگز
سب زمینوں کے زمیندار ہیں باقر زیدی

ان کے شعروں سے مہکتی ہے سماعت کی فضا
اِک مہکتا ہوا گلزار ہیں باقر زیدی

مرثیہ لکھ چکے رفتار کے عنوان پہ بھی
کچھ نہ کچھ واقفِ اسرار ہیں باقر زیدی

ا۔ غزل کی پہلی کتاب

نو کتابوں کے سجائے ہوئے طرّے سر پر
جنسِ بے قیمتِ بازار ہیں باقر زیدی

اپنا اسلوبِ سخن سب سے جدا رکھتے ہیں
مُنکسر پیکرِ پندار ہیں باقر زیدی

سمجھیں غالبؔ کو وہ اب ایسے سخن رس بھی نہیں
پھر بھی غالبؔ کے طرفدار ہیں باقر زیدی

دی ہے اللہ نے اولاد کی نعمت ان کو
شکر ہے شاخِ ثمر دار ہیں باقر زیدی

دھوپ سے جلتے بدن آ کے یہاں لیتے ہیں دَم
دشت میں سایۂ دیوار ہیں باقر زیدی

کسی کم اصل کی بیعت کبھی کرتے ہی نہیں
اِک مسلسل لبِ انکار ہیں باقر زیدی

یہ گذر جاتے ہیں کانٹوں سے بچا کر دامن
مایۂ گلشنِ بے خار ہیں باقر زیدی

خالقِ حُسن کی توفیق سے ہے حُبِّ جمال
حُسن جیسا ہو طلب گار ہیں باقر زیدی

کوئی کہتا ہے کہ مغرور ہیں کم گو ہیں بہت
کوئی کہتا ہے ملنسار ہیں باقر زیدی

ساتھ رہتے ہیں زمانے کے جھمیلے ان میں
اپنی ہی ذات میں سنسار ہیں باقر زیدی

کم تو ہوتی ہی نہیں دل سے حسینوں کی طلب
جانے کس کس کے گنہگار ہیں باقر زیدی

کیا خبر کتنی سزاؤں سے یہ بچ پائیں گے
ہدفِ تہمتِ بسیار ہیں باقر زیدی

بس ہو اِن کا تو رکھیں سب کا غم اپنے دل میں
کس قدر طالبِ آزار ہیں باقر زیدی

اب کسی کچے گھڑے کا تو زمانہ ہی نہیں
آپ اس پار تو اُس پار ہیں باقر زیدی

اس غزل کے لیے مقطع کی ضرورت ہی نہیں
خود ردیفی میں گرفتار ہیں باقر زیدی

O

فکر کی خوش قامتی اچھی لگی
ہم کو اپنی شاعری اچھی لگی

حُسن کی دوشیزگی اچھی لگی
چودہویں کی چاندنی اچھی لگی

سبزہ و گُل پر نمی اچھی لگی
اوس کی دریا دلی اچھی لگی

ایک چھوٹی سی خوشی اچھی لگی
آج اِک لڑکی بڑی اچھی لگی

رسم و راہِ عاشقی اچھی لگی
جان جوکھوں میں پڑی اچھی لگی

ذہن کی پاکیزگی اچھی لگی
بندگی کی زندگی اچھی لگی

گفتنی ناگفتنی اچھی لگی
داستانِ عشق تھی اچھی لگی

دوستوں کی بے رُخی اچھی لگی
مصلحت کی دوستی اچھی لگی

گفتگو سے خامشی اچھی لگی
ہر کہی سے اَن کہی اچھی لگی

ڈھانپ لیتی ہے گنہگاروں کے عیب
روشنی سے تیرگی اچھی لگی

یہ نگاہِ شوق کا اعجاز تھا
قیس کو لیلیٰ بڑی اچھی لگی

اِس کے پڑھنے کا عجب انداز ہے
مولوی[1] کی مثنوی اچھی لگی

سب زبانوں کا مزہ اردو میں ہے
لشکروں کی چاشنی اچھی لگی

دوستوں کی دشمنی بھائی نہیں
دشمنوں کی دوستی اچھی لگی

ا۔ مثنوی مولانا روم

آپ کیا جانیں مزاجِ عشق کو
کوئی اچھی تھی کوئی اچھی لگی

اعتبارِ چشمِ امکانات کو
آنے والی یہ صدی اچھی لگی

ہر روش پر ساتھ اُٹھتے تھے قدم
ہمدموں کی ہمدمی اچھی لگی

کردیا وہ بھی جو کام ان کا نہ تھا
رہبروں کی رہزنی اچھی لگی

کس نظر سے اُس نے گھورا تھا مجھے
کس قدر وہ ٹکٹکی اچھی لگی

اجتماعی قتل کے انداز کی
یہ انوکھی خود کشی اچھی لگی

گورے پنڈوں پر سیہ ملبوسِ غم
وہ فضائے ماتمی اچھی لگی

سُرخ تھے سب دستِ ماتم کے نشاں
حُسن کی سینہ زنی اچھی لگی
مل گئے باقر کو گجرے پھول ہار
پھول والوں کی گلی اچھی لگی

O

جہاں پہ رات ہوئی سو رہے وہیں پڑ کر
کہیں یہ خانہ بدوشی کی زندگی تو نہیں

O

خواب لکھے جائیں گے تعبیر لکھی جائے گی
چُپ کے پیراہن میں اِک تقریر لکھی جائے گی

جب بیاں ہوگا غزل میں ان کا حُسنِ بے مثال
رنگ کے حرفوں میں اِک تصویر لکھی جائے گی

قتل و غارت دہشت و سفاکی و ظلم و عناد
کیا ہماری اب یہی تقدیر لکھی جائے گی

یوں ہی رکھا جائے گا اہلِ سیاست کا بھَرم
ان کی ہر تخریب اِک تعمیر لکھی جائے گی

جس کے اِک اِک حرف سے ہوگی صداقت آشکار
کیا کبھی ایسی کوئی تحریر لکھی جائے گی

کربلا در کربلا در کربلا ہے زندگی
کب یزیدِ وقت کی تعذیر لکھی جائے گی

نام پر مذہب کے دہشت کا جو ڈھونڈو گے سُراغ
اِک جہالت ہی تو دامن گیر لکھی جائے گی

محو کر دے گا سبھی جذبوں کو یہ قرطاسِ وقت
اِک محبت ہی بلا تاخیر لکھی جائے گی

سو رہے ہیں سونے والے عہدِ دقیانوس سے
ہمدمی خوش خوابیٔ قطمیر لکھی جائے گی

بے خطا لوگوں پہ دستِ ظلم جب ہو گا دراز
بے قصوری باعثِ تقصیر لکھی جائے گی

یوں ہی گر چلتا رہا جنسوں کی تبدیلی کا کام
قیس لیلیٰ اور رانجھا ہیر لکھی جائے گی

عمر بھر جو بھی کیا باقر کتابِ حشر میں
ہر حقیقت کھل کے با تصویر لکھی جائے گی

O

سخن کے دشت میں جب نکہتِ ادب پھیلی
مرے کلام کی اطراف میں طلب پھیلی

جہالتوں کے اندھیرے جو تھے ہوئے کافور
قلم کی روشنی دنیا میں کیا غضب پھیلی

تم آ گئے تو مرے روز و شب ہوئے روشن
تمھارے حُسن کی اس طرح تاب و تب پھیلی

ہزار دن مری اُس ایک رات پر تھے نثار
جب اُس کی زلف سے تابندگیِ شب پھیلی

بندھا جو جُوڑا تو روئے سحر ہوا روشن
ہوئیں دراز جو زُلفیں ردائے شب پھیلی

ہوئے جو عام زمانے میں عشق کے آداب
تو پھر جُنوں کی حکایت عجم عرب پھیلی

یہ قدرِ ظرف نہ تھا میرا تنگنائے وجود
مرے وجود سے بڑھ کر عطائے رب پھیلی

جو بد نصیب درِ شہرِ علم تک نہ گئے
اُنہیں میں فکرِ ابو جہل و بو لہب پھیلی

زمانے بھر کے جو دریا تھے آب آب ہوئے
جو آبروئے شہیدانِ تشنہ لب پھیلی

رواں تھا سارے شہیدوں میں ایک ہی احساس
عجیب خوئے وفا تھی نسب نسب پھیلی

عجب تھیں ہجر کے موسم کی سختیاں باقرؔ
وہ مختصر نہ ہوئی جو شبِ تعب پھیلی

O

راستے بند ہیں صورت نئے آزار کی ہے
اب تو دَر کی وہی صورت ہے جو دیوار کی ہے

O

ہم سے ملنے بھی آپ آئیں کبھی
اپنے گھر بھی ہمیں بُلائیں کبھی

کچھ بڑھائیں تعلق خاطر
رہیں کچھ روز اب جو آئیں کبھی

اپنے پیکر کے حُسن کے جلوے
اِک جھلک ہم کو بھی دکھائیں کبھی

بے حسی موت کا ہے دوسرا نام
شمعِ احساس کو جلائیں کبھی

کتنے دل ہیں جو آپ توڑ چکے
یہ مِرا دل بھی آزمائیں کبھی

نفرتوں سے تو تنگ ہے دُنیا
دستِ الفت ذرا بڑھائیں کبھی

نور ہی نور ہر طرف پھیلے
علم کی مشعلیں جلائیں کبھی

جن کو ہے حُسن پر گھمنڈ بہت
وہ مرے سامنے تو آئیں کبھی

یہ تعصب یہ دشمنیں یہ عناد
کچھ تو انسانیت دکھائیں کبھی

نفرتوں کا مآل دیکھ لیا
اب محبت بھی آزمائیں کبھی

کچھ تو حاصل ہو شاعری کا مزہ
شعر باقرؔ کے گنگنائیں کبھی

O

ہاتھ میں تیغ نہ کاندھے پہ سپر رکھتے ہیں
پھر بھی کہتے ہو کہ جینے کا ہنر رکھتے ہیں

O

زندگی گردشوں کی گردش تھی
زندہ رہنے کی پھر بھی خواہش تھی

کس قدر حُسن کی نمائش تھی
ہر نظر بجلیوں کی بارش تھی

حُسن ہی حُسن تھا ہر اِک منظر
رنگ بکھرے ہوئے تھے رامش تھی

جو بھی بُت تھا بنا ہوا تھا خُدا
ہر طرف حُسن کی پرستش تھی

اپنے جلووں میں حُسن تھا آزاد
میری بینائیوں پہ بندش تھی

وہ بھی کیا دن تھے بھولتے ہی نہیں
حُسن والوں میں جب رہائش تھی

حُسن کے پاس اور کیا ہوتا
خود نمائی تھی خود ستائش تھی

ہم بھی کیا کہتے اور کیا لکھتے
اِک غزل ہی فقط گذارش تھی

دل کی باتیں غزل میں رنگ بھریں
یہی باقرؔ ہماری کوشش تھی

O

حصارِ زلف میں جینے کا سلسلہ بھی نہیں
بہت دنوں سے محبت کا آسرا بھی نہیں

O

فسانہ خیز تو ہو سرخیٔ لہو ہی سہی
محبتوں میں یہ باقرؔ کی آرزو ہی سہی

کسی طرح تو مری یہ شبِ فراق ڈھلے
حسیں نہیں تو حسینوں کی گفتگو ہی سہی

رہِ حیاتِ سفر میں کوئی تو راحت ہو
ہو وصلِ یار میسّر کبھو ہی سہی

یہ زندگی کا سفر ہے شریک کوئی تو ہو
نہیں ہے دوست مقدر میں تو عدو ہی سہی

اسی لیے تو بچھائے ہیں پھول بستر پر
جو تو نہیں ہے مرے گھر تو تیری بو ہی سہی

شبِ فراق چلی آ تجھے گلے سے لگاؤں
گلے کوئی نہیں ملتا تو آج تُو ہی سہی

ہے قحط شہر میں تازہ ہوا کے جھونکوں کا
یہ حبس ٹوٹے ہوا آئے گرم لُو ہی سہی

یہی تو سمجھے گا کوئی نمازِ میت ہے
نمازِ عشق ہے پڑھ لے بلا وضو ہی سہی

وہ خامشی ہے کہ دل ہول کھانے لگتا ہے
جو سب ہی چُپ ہیں تو رندوں کی ہاؤ ہو ہی سہی

بھری بہار میں تن پر ہے تار تار لباس
یہ بے خودی کی امانت تو بے رفو ہی سہی

بہ رنگِ حضرتِ غالبؔ گذار لو باقرؔ
وہ بے نیازی کی عادت سے تُند خو ہی سہی

O

ہم تو اس طرح بھی تجدیدِ وفا کرتے ہیں
روز اِک قرض محبت کا ادا کرتے ہیں

O

باطل ہیں جو باطل کو بھی باطل نہیں کہتے
قاتل ہیں جو قاتل کو بھی قاتل نہیں کہتے

جس بزم میں تہذیب روایت نہ ہو موجود
اُس شور کے ہنگام کو محفل نہیں کہتے

جو علم کی تحصیل کے رہتے ہیں مخالف
وہ لوگ ابو جہل کو جاہل نہیں کہتے

پھیلا یا نہ ہو ہاتھ کبھی جس نے کہیں بھی
اُس دست کشیدہ کو تو سائل نہیں کہتے

نرمی نہ ہو جس دل میں وہاں کیسی محبت
پتھر کا وہ ٹکڑا ہے اُسے دل نہیں کہتے

اِک کارِ محبت کے علاوہ ہے بہت کچھ
ہر ایک سے ہم اپنے مشاغل نہیں کہتے

کچھ ساتھ کسی کا کبھی ہوتا ہے سفر میں
رستے کے پڑاؤ کو تو منزل نہیں کہتے

کوئی ہمیں آجاتا ہے مُشکل سے چُھڑانے
سو ہم کسی مشکل کو بھی مشکل نہیں کہتے

O

دل کی دنیا نہیں تو کیا کیجے
کوئی اپنا نہیں تو کیا کیجے

کیا بتائیں کبھی وہ کیسا تھا
اب وہ ویسا نہیں تو کیا کیجے

اُس سے ہم کو وہی محبت ہے
اُس کو پروا نہیں تو کیا کیجے

یہ بہت ہے کہ کل تو اچھا تھا
آج اچھا نہیں تو کیا کیجے

ساتھ رہنے کے کچھ تقاضے ہیں
وہ سمجھتا نہیں تو کیا کیجے

تھک گئے ہم بُلا بُلا کے اُسے
اب وہ آتا نہیں تو کیا کیجے

زندگی جس کے ساتھ گذری ہے
وہ ہمارا نہیں تو کیا کیجے

پہلے جو چاہتے تھے ہوتا تھا
اب وہ ہوتا نہیں تو کیا کیجے

ہم جو نظروں سے پی رہے تھے کبھی
اب وہ صہبا نہیں تو کیا کیجے

آپ اچھے تو کُل جہاں اچھا
آپ اچھا نہیں تو کیا کیجے

جس کے ہونے سے سب سہارے تھے
وہ سہارا نہیں تو کیا کیجے

جتنے اپنے تھے سب وہ غیر ہوئے
غیر اپنا نہیں تو کیا کیجے

پڑ گئے ہیں زبان پر تالے
منہ جو کُھلتا نہیں تو کیا کیجے

دستِ قاتل کی ہے یہ کوتاہی
زخم گہرا نہیں تو کیا کیجے

ساری دنیا ہی جھوٹ بولتی ہے
کوئی سچا نہیں تو کیا کیجے
یہ زمانہ کبھی ہمارا تھا
اب یہ اپنا نہیں تو کیا کیجے
ابنِ آدم اکیلا پھرتا ہے خوار
بنتِ حوا نہیں تو کیا کیجے
ہم تو بوڑھے ہیں سر سے پیر تلک
دل جو بوڑھا نہیں تو کیا کیجے
یہ کتابیں جو ہم نے لکھی ہیں
کوئی پڑھتا نہیں تو کیا کیجے
شاعری سے بھی دل اُچاٹ ہوا
جی جو لگتا نہیں تو کیا کیجے
سارے دُکھڑے غزل میں لکھ ڈالے
کوئی سنتا نہیں تو کیا کیجے

O

دیکھوں اُسے تو اِک رُخِ زیبا دکھائی دے
لکھوں تو وہ غزل کا سراپا دکھائی دے

انسان کے وجود میں اسرار ہیں نہاں
اُتنا سمجھ میں آتا ہے جتنا دکھائی دے

معبود اپنے پیاس کے ماروں پہ رحم کر
دریا کو دیکھتے ہیں تو صحرا دکھائی دے

سمجھائے کوئی کیجئے کس کس کا اعتبار
جھوٹے نگر میں ہر کوئی سچا دکھائی دے

قوموں کی زندگی میں قیامت سے کم نہیں
جاتا ہوا وہ وقت جو ٹھہرا دکھائی دے

حاکم ہمارے شہر کے سارے ہیں بے بصر
اندھوں کے غول میں کوئی بینا دکھائی دے

روشن چراغِ بیم و رجا اُس سے ہے جسے
تاریکیوں میں شب کی سویرا دکھائی دے

تخلیق کے جمال کا منکر نہیں ہوں میں
دُنیا کا ہر حسیں مجھے اچھا دکھائی دے

بزمِ سخن میں حُسنِ غزل اُس کے ہاتھ ہے
جو میرؔ کا مزاج شناسا دکھائی دے

ہر بندہ اپنے رب کی طرف ہے رواں دواں
مسجد اِسے تو اُس کو کلیسا دکھائی دے

آنکھوں کو بند کر کے ذرا دیر سوچنا
باقرؔ اگر تمھیں کہیں تنہا دکھائی دے

O

یہ ایک قطرے کی وسعت یہ ظرف کا عالم
کہ عکسِ مہر مکمل حباب بحر میں تھا

O

بد بیں کو کوئی کس طرح اچھا دکھائی دے
حاسد حسد کی آگ میں جلتا دکھائی دے

ادراک میں اگر ہوں خدائی کی وسعتیں
پانی سمندروں کا بھی تھوڑا دکھائی دے

اس شہرِ ناسپاس میں سب اجنبی سے ہیں
اپنا کوئی تو اے مرے مولا دکھائی دے

دہشت کا یہ عذاب ہے آسیب کی طرح
سارا جہان اس سے لرزتا دکھائی دے

اُس کی حیات کیا جسے دھڑکا ہو موت کا
جینے کی جستجو میں جو مَرتا دکھائی دے

جینے سے جس غریب کی ہر آس ٹوٹ جائے
پھر اُس کو خودکشی کے سوا کیا دکھا دے

کن کن مصیبتوں سے گذرتے ہیں اہلِ دل
رستہ کوئی تو پیار کا سیدھا دکھائی دے

امید کے چراغ جلائے بہت مگر
آیا نہیں جو ہر گھڑی آتا دکھائی دے

اِک ظلم یہ بھی آج زمانے میں ہے روا
قد کاٹھ کا جو ہو وہی بونا دکھائی دے

میں خود بُرا ہوں کیسے کسی کو بُرا کہوں
ہر شخص مجھ کو اپنے سے اچھا دکھائی دے

O

محبتوں کے زمانے گذر بھی جاتے ہیں
چڑھے ہوئے ہوں جو دریا اُتر بھی جاتے ہیں

O

جو گھاٹے کا بیوپار کرے
وہ دل کا کاروبار کرے

اصرار کرے وہ ملنے پر
جو جینا بھی دشوار کرے

جسے میٹھا بولنا آتا ہو
وہ چُپ کو بھی اخبار کرے

وہ بحرِ محبت میں اُترے
جو ساحل کو منجدھار کرے

ہم کو تو ہے مطلب یاری سے
اب جو چاہے سو یار کرے

ہم دوست کو دشمن کرتے ہیں
وہ دشمن کو بھی یار کرے

ہے جھوٹوں کی جنت دنیا
کوئی سچ کا کاروبار کرے

ہے کون بھلا باقرؔ کے سوا
جو باتوں کو اشعار کرے

O

اِک بار کرے سو بار کرے
جو چاہے ہم سے پیار کرے

عزت تو اسی کی ہوتی ہے
جسے مولا عزت دار کرے

اب ایسا لیڈر کوئی نہیں
جو قوم کا بیڑا پار کرے

اب آنکھیں اُسی کو ڈھونڈتی ہیں
زردار کو جو نادار کرے

جو گھر میں کام نہیں کرتا
وہ سات سمندر پار کرے

جب عشق ہو کارِ بے کاراں
کیا کام کوئی بیکار کرے

سرداری اُسی کا منصب ہے
جو سر کو بے دستار کرے

اللہ تو سب کی سنتا ہے
جو چاہے استغفار کرے

O

ہمارے شہر سے وحشت کو کم کوئی تو کرے
انا سرشت سروں کو قلم کوئی تو کرے

تمام یورشِ ظلم و ستم کوئی تو کرے
بغیر خوفِ وجود و عدم کوئی تو کرے

ہرن کی طرح صحارا میں رم کوئی تو کرے
جنوں کے دشت کو باغِ اِرم کوئی تو کرے

صداقتوں کے علم کو علم کوئی تو کرے
کوئی تو رکھے وفا کا بھرم کوئی تو کرے

تمام خلقِ خدا خوف کے حصار میں ہے
خدا کے بندوں کا یہ خوف کم کوئی تو کرے

یہ درس گاہوں میں بچوں کو مار دیتے ہیں
سَر اِن درندوں کے اُٹھ کر قلم کوئی تو کرے

جو مر رہے ہیں شرابی بھی ہیں نمازی بھی
وہ رند ہو کہ ہو شیخِ حرم کوئی تو کرے

ہلی ہے پاک زمیں بم کے اِن دھماکوں سے
جو بم لگاتے ہیں اُن کو بھی بم کوئی تو کرے

یہ وحشیوں کی طرح عورتوں کو مارتے ہیں
جہاں سے ختم یہ ظلم و ستم کوئی تو کرے

جو آگ پھیل گئی ہے اُسی کے شعلوں میں
درندگی کے صَنم کو بھسم کوئی تو کرے

کہاں ہیں خدمتِ انسانیت کے دعویدار
جہانِ ظلم و شقاوت کو کم کوئی تو کرے

گروہِ اہلِ قلم ہو کہ شاعروں کا گروہ
کہ داستانِ غمِ دل رقم کوئی تو کرے

بہت سے لوگ بڑے کام کی تلاش میں ہیں
نہیں ہے کام یہ کچھ کَم اَہم کوئی تو کرے

یہ شہر سب کا اگر ہے تو فرض ہے سب کا
یہ کام خیر ہے تم ہو کہ ہم کوئی تو کرے

ہمارے سارے ہی قاتل ہیں ڈاڑھیوں والے
بنامِ شرع جو دہشت ہے کم کوئی تو کرے

حکومتوں کا بھی اِن سے تو دم نکلتا ہے
مقابلے کی بھی طاقت بہم کوئی تو کرے

محبتوں کی بھی تھوڑی جگہ نکالی جائے
کہ نفرتوں کی سیاست کو کم کوئی تو کرے

یہ ارضِ پاک کے دشمن یہ طالبانِ ارم
وجود اِن کا سپردِ عدم کوئی تو کرے

خدا کا بندہ کرے گر خدا نہیں کرتا
قدم بڑھائے کوئی خوش قدم کوئی تو کرے

علیؑ کے چاہنے والے ہیں خیر سے موجود
تو ذوالفقارِ علیؑ کو علَم کوئی تو کرے

یہ خارجی ہیں سب اولاد ابنِ ملجم کی
تو کوفیوں کو دریدہ شکم کوئی تو کرے

لہو کی طرح ہے اِن کی رگوں میں بُغضِ علیؑ
انہیں حوالۂ تیغِ دودم کوئی تو کرے

منافقوں کی یہ اولاد تیرہ صدیوں کی
کچھ ان کی حرف و حکایت رقم کوئی تو کرے

جو سچی بات ہو بے خوف تم لکھو باقرؔ
حقیقتوں کو سپردِ قلم کوئی تو کرے

O

ہم اُس دیار میں جا کر کہیں نہیں رہتے
جہاں مکان ہیں خالی مکیں نہیں رہتے

O

اجنبی کی طرح ملتا ہے جو اپنا ہم سے
اے خدا دور ہی رکھ ایسا شناسا ہم سے

ہم پہ جو فرض نہیں تھا کیا ہم نے وہ بھی
کون سا بارِ امانت نہیں اُٹھا ہم سے

ہم اُنہیں لوگوں کے جینے کی دُعا مانگتے ہیں
چھینی جن لوگوں نے جینے کی تمنا ہم سے

ہم سُنیں سب کی ہماری نہیں سُنتا کوئی
سب بڑے ہم سے ہیں کوئی نہیں چھوٹا ہم سے

پاسِ تہذیبِ وفا ہم ہی پہ لازم کیوں ہو
ہم بھی ویسے ہی ہوں، جیسی ہے یہ دُنیا ہم سے

کس قدر اپنی اناؤں میں گرفتار ہیں لوگ
کوئی اپنوں کی طرح اب نہیں ملتا ہم سے

ہم ہی ہیں سب سے بُرے ہم سے بُرا کوئی نہیں
ڈھونڈ کر لاؤ بُروں میں کوئی اچھا ہم سے

ساتھ جو رہتے تھے وہ ہو گئے انجانے سے
کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہوا کیا ہم سے

ہم سا مجبور خدایا نہ کسی کو کرنا
وہی کرتے رہے دنیا نے جو چاہا ہم سے

زندگی بھر کا جو ساتھی تھا وہ ساتھی نہ رہا
گھر عجب صورتِ حالات میں چھوٹا ہم سے

ایسے بھی لوگ ہیں گھن آتی ہے جن سے ہم کو
ان سے خوش ہو کے ملیں ہو نہیں سکتا ہم سے

ہم کسی اور کا حق کس طرح رکھتے باقر
اپنے ہی حق کا تقاضا نہیں ہوتا ہم سے

O

جو نہ شرمندہ ہوں اپنے ضمیروں سے
کنکر پتھر اچھے ایسے ہیروں سے

سیدھی سادی خلقِ خدا محفوظ نہیں
سادھو سائیں مُرشد پیر فقیروں سے

ہر قاری کو قرآں کی تفہیم بھی دے
بات الجھتی جاتی ہے تفسیروں سے

جن کے لکھے جانے سے فتنے پھیلتے ہوں
کچھ نہیں لکھنا اچھا اُن تحریروں سے

ان کو ریکھاؤں کا بدلنا آتا ہے
تقدیریں گھبراتی ہیں تدبیروں سے

قوم کے رہبر کوئی کام کی بات تو کر
خاموشی کا کام نہ لے تقریروں سے

جُگ بیتے ہیں اب تو جان چُھڑا مولا
زرداروں سے چودھریوں سے پیروں سے

ان کے سحر میں رہنا اچھا لگتا ہے
خواب چھپائے پھرتا ہوں تعبیروں سے
دیکھنے والی آنکھیں چُندھیا جاتی ہیں
اندھیارے بڑھ جاتے ہیں تنویروں سے
اس کل جُگ میں پاپ اور پُن کے سب قیدی
بچنا کچھ آسان نہیں زنجیروں سے
جن کی یادیں دی ہیں اُن کا قُرب بھی دے
کیا جی بہلے گا خالی تصویروں سے
بھر کے نظر دیکھو تو بولنے لگتی ہیں
ڈر لگتا ہے مجھ کو ان تصویروں سے
باقرؔ کو بھی حصہ کی توقیر ملے
قد ناپے ہی جاتے ہیں توقیروں سے

○

دُکھ درد اِک جہاں کا غزل میں اُتار کے
یہ کون جارہا ہے شب غم گذار کے

کیا خوف کھاؤں گردشِ لیل و نہار کے
پہرے لگائے ہیں مری ماں نے حصار کے

جلوے عیاں ہیں روپ میں سولہ سنگھار کے
وہ چل دیئے نقوشِ تمنّا اُبھار کے

جو کچھ لیا دیا تھا وہ سب پھیر پھار کے
وہ جارہے ہیں قبر میں مجھ کو اُتار کے

مجبوریوں کے دام میں جکڑے ہوئے ہیں لوگ
دو دن بھی زندگی میں نہیں اختیار کے

اس کو خزاں کا نام غلط دے رہے ہیں لوگ
شاخوں نے رنگ اوڑھے ہیں فصلِ بہار کے

کچھ دَم ذرا مزاج کو اپنے بدل کے دیکھ
اکثر خزاں بھی دیتی ہے جھونکے بہار کے

جاتے نہیں ہیں دل سے وہ منظر تو نقش ہیں
جلوے عجب تھے دیدۂ بے اختیار کے

سب مے کشوں سے بزمِ نگاراں سجی رہی
باقرؔ ہی تھے کہ بیٹھ گئے جی کو مار کے

ایسی غزل کہی کہ خدائے سخن ہوئے
کیسے عجیب لوگ تھے، اُجڑے دیار کے

شب میکدے میں بزمِ نگاراں سجی رہی
ٹوٹے تھے پاؤں باقرؔ پرہیز گار کے

O

نہ پوچھ ہم سے اب اُس انتظار کا عالم
ابھی ابھی وہ گیا پھر سے راہ تکنے لگے

O

اِس شہرِ قتلِ عام میں کس کس کو رو سکے
کتنے دلوں کے درد کو اِک دل سمو سکے

اپنوں کے غم میں بھی کسی جابر کے خوف سے
کتنے ہیں بدنصیب جواب تک نہ رو سکے

یہ غم ہے سارے شہر کا اس کو وہی سُنے
جو آستین اشکوں سے اپنے بھگو سکے

ناپید ہوگئی ہے بہت آشتی کی چھاؤں
اِک بیج آشتی کا بھی بوئے جو بو سکے

اِک ہم کہ آپ کے ہوئے اور ہو کے رہ گئے
اِک آپ ہیں کہ آپ کسی کے نہ ہو سکے

یہ بھی ہوا کہ اُس کو جگایا تمام رات
پھر اُس کے بعد چین سے ہم بھی نہ سو سکے

وہ آرزوئے قُرب تھی اس کی کہ کیا کہیں
دریا ڈبو سکے نہ سمندر ڈبو سکے

جو ہو سکے اسی کی طلب کا جواز ڈھونڈ
اُس کا خیال بھی ہے عبث جو نہ ہو سکے

باقرؔ وہ خوش نصیب گنہگار ہے کہ جو
دامن کے داغ اشکِ ندامت سے دھو سکے

O

اُس سے اب رسم و راہ اتنی ہے
دیکھنا اور مسکرا دینا

O

فاصلے جب نہ درمیاں ہوں گے
حُسن والے ہی جانِ جاں ہوں گے

کیا بتائیں کہ ہم کہاں ہوں گے
تم جہاں ہوگے ہم وہاں ہوں گے

گر یہی میرِ کارواں ہیں تو پھر
کارواں گردِ کارواں ہوں گے

آپ کی چاہ میں ہے سارا شہر
آپ کس کس پہ مہرباں ہوں گے

روز ہوتے ہیں قتل شہر کے لوگ
بے مکینوں کے اب مکاں ہوں گے

روٹی کپڑا مکان دے نہ سکے
پھر بھی کیا آپ حکمراں ہوں گے

جن سے زینت ہے داستانوں کی
اب وہی زیبِ داستاں ہوں گے

راہبر وقت کی پکڑ میں ہیں
قافلے پھر رواں دواں ہوں گے

بے خطا موت اُن کی قسمت ہے
جن کے تم جیسے پاسباں ہوں گے

لوٹ آئیں گے پھر بہار کے دن
خاک کے ذرے کہکشاں ہوں گے

قوم کے بچے خوں کے دریا میں
کب تک اس طرح رایگاں ہوں گے

میرؔ و غالبؔ نواز لوگوں میں
کچھ تو اپنے بھی قدرداں ہوں گے

آنے والی بہار میں باقرؔ
اب نہ اپنے چمن خزاں ہوں گے

O

جہل کا جب قلم نکلتا ہے
علم و دانش کا دَم نکلتا ہے

مدرسوں کی جہالتوں میں پلا
شیخِ مُرغِ حَرم نکلتا ہے

دعوے بڑھ بڑھ کے کرنے والوں میں
جس کو تولو وہ کم نکلتا ہے

نامِ اسلام دشمنیں توبہ
مسجدوں میں بھی بم نکلتا ہے

کیا ٹھکانا ہے اس تکبر کا
میں نہیں منہ سے ہم نکلتا ہے

جتنی بے چینیاں ہیں دنیا میں
اُن کے پیچھے شکم نکلتا ہے

جو خدا کی پکڑ میں آجائے
اس کا سب پیچ و خم نکلتا ہے

وقت کے ہاتھ ہیں ہزار قلم
ہوگیا جو رقم نکلتا ہے
مدح میں بھی وہ شعر ملتے ہیں
جن سے پہلوئے ذَم نکلتا ہے
لوگ تریاق و انگبیں ہی سہی
ان کے اندر سے سَم نکلتا ہے
شوقِ پاسِ وفا انہیں میں تو ہے
جن کے گھر سے علَم نکلتا ہے
جانے کیا ہوگیا ہے باقرؔ کو
آج کل گھر سے کم نکلتا ہے

O

رزقِ افکار مجھے جب بھی عطا ہوتا ہے
شکر کا سجدہ وہیں دل سے ادا ہوتا ہے

کوئی اپنا نہ ہو دنیا میں تو کیا ہوتا ہے
جس کا کوئی نہیں ہوتا ہے خدا ہوتا ہے

عمر اک بیت گئی جس سے محبت کرتے
بات بے بات وہی مجھ سے خفا ہوتا ہے

لاکھ روکو اسے ہونی کا ہے ہونا لازم
وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

شکر کس طرح ادا ہو ترا میرے مولا
کیا نہیں ہے جو ترے در سے عطا ہوتا ہے

اور بڑھ جاتی ہے کچھ اہلِ محبت کی طلب
جب کوئی قرض محبت کا ادا ہوتا ہے

میرے معبود گناہوں کو مرے بخش دے تو
ابنِ آدم سے تو امکانِ خطا ہوتا ہے

ہر نفس بارِ عقیدت سے ہے بوجھل باقرؔ
شعر لکھتا ہوں جو میں اُن کی عطا ہوتا ہے

O

مقدر میں جو غم لِکھا ہوا ہے
مری ہمت سے کم لِکھا ہوا ہے

مِرے اللہ اُس کی ایسی حالت
جسے خیرالامم لکھا ہوا ہے

سرِ لوح و قلم لوحِ زمیں پر
کہاں نکلے گا دَم لِکھا ہوا ہے

مبارک ہوں تمھیں یہ خشک دریا
مری آنکھوں میں نم لِکھا ہوا ہے

زمانے کے ستم لکھے ہوئے ہیں
خدا کا بھی کرم لِکھا ہوا ہے

جہاں جاؤ اُدھر ہے پیٹ کی آگ
جدھر دیکھو شکم لِکھا ہوا ہے

یہاں تقدیر میں کچھ بھی نہیں ہے
ہر اِک شے پر عدم لِکھا ہوا ہے

بہت ہے احترام اتنا بھی باقرؔ
کہ تجھ کو محترم لِکھا ہوا ہے

(امریکہ کے حوالے سے)

O

یہاں حُسن کی بادوباراں بہت ہے
یہاں ہر نظر میں چراغاں بہت ہے

اِسی بات سے دل پریشاں بہت ہے
یہاں جس کو دیکھو وہ عریاں بہت ہے

یہاں ہر دقیقہ ہے جلووں کی بارش
یہاں صحبتِ نازنیناں بہت ہے

یہاں کیا ضرورت لباسِ کتاں کی
یہاں عشرتِ کم لباساں بہت ہے

حجابوں کی دُنیا سے باہر نکل آ
یہاں بے حجابی کا ساماں بہت ہے

چکا چوند آنکھیں ہیں اِس روشنی سے
چراغِ محبت فروزاں بہت ہے

یہاں عشق میں کوئی مشکل نہیں ہے
یہی ایک مشکل ہے آساں بہت ہے

یہاں عاشق کے ہیں عنوان اتنے
جسے دیکھئے پا بہ جولاں بہت ہے
حسینوں کی محفل میں جا کر تو دیکھے
جسے خواہشِ ہم نشیناں بہت ہے
یہاں نازنینوں کی چاہت نہیں کم
بہت ہے بہت ہے مری جاں بہت ہے
جو ناکام عاشق ہیں دنیا کے آئیں
یہاں کامیابی کا امکاں بہت ہے
محبت میں ہجرِ حسیناں کے مارو
یہاں حُسنِ دل کش فراواں بہت ہے
کسے ساتھ رکھیں کسے چھوڑ جائیں
یہاں کا ہر عاشق پریشاں بہت ہے
یہی تو ہے میرے خدا کی وہ بستی
جہاں ہر حسیں حشر ساماں بہت ہے

ہدف نامرادی کا کیوں بن رہے ہو
یہاں کاروبارِ دل و جاں بہت ہے
یہ درپن سے مکھڑے بدن آئینہ سے
یہاں چشمِ حیرت بھی حیراں بہت ہے
خدا نے سبھی نعمتیں ان کو دی ہیں
یہاں ہر تواضع کا ساماں بہت ہے
بہت ہے حسینوں کے جلووں کی بارش
تو شاعر یہاں کا غزل خواں بہت ہے
یہاں جیتے جی اُن کی جنت ہے باقرؔ
جنہیں اشتیاقِ نگاراں بہت ہے

O

لباسوں میں جو عُریانی بہت ہے
بدن کی حشر سامانی بہت ہے

جوانی یاں بھی دیوانی بہت ہے
جسے دیکھو وہ رومانی بہت ہے

یہاں کوئی نہیں ہے کام مُشکل
محبت میں بھی آسانی بہت ہے

یہاں محرومیاں کم ہورہی ہیں
وسائل کی فراوانی بہت ہے

یہاں تو کچھ بھی لاثانی نہ ہوگا
یہاں ہر چیز کا ثانی بہت ہے

یہاں ہوتے نہیں بے آب منظر
یہاں دریاؤں میں پانی بہت ہے

یہاں ہر گھر کے دروازے کُھلے ہیں
یہاں ہر روز مہمانی بہت ہے

نہیں ہے ہجر کا رونا یہاں کچھ
ملاقاتوں میں آسانی بہت ہے

یہاں سب ہی کی سوچیں ایک سی ہیں
مزاجوں میں جو یکسانی بہت ہے

ہے گھر بیٹھے یہاں ہر چیز حاصل
حسینوں کی فراوانی بہت ہے

یہ مغرب ہے یہاں ہے کم لباسی
مگر توقیرِ انسانی بہت ہے

O

ایسے بھی لوگ ہیں زمانے میں
جن سے دنیا حسین لگتی ہے

O

حسیں چہروں پہ تابانی بہت ہے
سو آئینوں کو حیرانی بہت ہے

دلوں میں گر محبت کا نہ گھر ہو
بھرے گھر میں بھی ویرانی بہت ہے

بُرا کوئی کرے تو بھول جاؤ
وہ نیکی ہے جو لوٹانی بہت ہے

وہیں کی لڑکیاں آزادہ رو ہیں
جہاں اُن کی نگہبانی بہت ہے

بتاؤں کیا حسیں کتنے ہیں دل میں
کہ یہ فہرست طولانی بہت ہے

مجھے تبدیلیاں لگتی ہیں اچھی
طبیعت میری جولانی بہت ہے

ابھی کُھلتا نہیں وہ ماہ رُو بھی
حیا کا آنکھ میں پانی بہت ہے

ابھی تو ابتدا ہے عاشقی کی
ابھی یہ آگ دہکائی بہت ہے

خدا چاہے تو مل جائے گی منزل
مری کوشش تو امکانی بہت ہے

خدایا کام کرنے کی سکت دے
طبیعت میں تن آسانی بہت ہے

میں جتنے سجدہ ہائے سہو کرلوں
خطاؤں کی پشیمانی بہت ہے

بڑھانے کو بزرگوں کی روایت
مرا میثمؔ، مرا ہادیؔ، بہت ہے

وہ پھر ٹِک کر کہاں بیٹھے گا باقرؔ
طبیعت جس کی سیلانی بہت ہے

O

جہاں جلووں کی ارزانی بہت ہے
گناہوں کی فراوانی بہت ہے

ابھی ٹھہرو ذرا کشتی نہ کھولو
ابھی دریا میں طغیانی بہت ہے

وہی ٹھہرا ہے میرا یارِ جانی
جو میرا دشمنِ جانی بہت ہے

یہ آنسو آبیاری کر رہے ہیں
کہ دل کی فصلِ بارانی بہت ہے

الٰہی صبر کی دولت عطا کر
زمانہ ظلم کا بانی بہت ہے

دلوں میں بھی عزا خانے بسے ہیں
جوازِ مرثیہ خوانی بہت ہے

کہ دم لیں گے مٹا کر نفرتوں کو
یہ ہم نے جی میں اب ٹھانی بہت ہے

شگفتہ لگتے ہیں بشاش چہرے
دلوں میں دردِ پنہانی بہت ہے
کہاں سنتا ہے کوئی اب کسی کی
جدھر بھی دیکھو من مانی بہت ہے
وہ آئے ہم سے بھی دو ہاتھ کر لے
جسے زعمِ سخن دانی بہت ہے
ابھی تک ہے تمھاری جان باقرؔ
وہ اِک جانی جو انجانی بہت ہے

O

اپنی شاخوں سے بچھڑنے کے سبب ہوتے ہیں
پتے گرنے کے یہ موسم بھی عجب ہوتے ہیں

O

اُس کی چاہت کا اثر اچھا تو ہے
شعر کہنے کا ہنر اچھا تو ہے

آدمی ویسے نڈر اچھا تو ہے
گر خدا کا ہو تو ڈر اچھا تو ہے

جو کسی کی سجدہ گاہِ دل بنے
دوستو وہ سنگِ در اچھا تو ہے

پھل نہیں دیتا اگر تو کیا ہوا
چھاؤں میں رکھتا شجر اچھا تو ہے

کیا مداوا آنسوؤں سے ظلم کا
ضبطِ غم اے چشمِ تر اچھا تو ہے

دیدنی ہے الامان و الحفیظ
آج بندہ بے بصر اچھا تو ہے

جانور میں اور انساں میں ہے فرق
آدمی ہو بے ضرر اچھا تو ہے

کرّ وفر کردیتا ہے خانہ خراب
دیکھنے میں کرّو فر اچھا تو ہے

O

یہ محبت کا نگر اچھا تو ہے
ہم جہاں رہتے ہیں گھر اچھا تو ہے

کام یہ شام و سحر اچھا تو ہے
ہمسفر دل کا سفر اچھا تو ہے

لمس سے ملتی ہے راحت جسم کو
درد کا کیا چارہ گر اچھا تو ہے

بے ہُنر کی زندگی کس کام کی
ہاتھ میں ہونا ہنر اچھا تو ہے

ضد سے گر پہچان شے کی ہے تو پھر
خیر کی ضد ہے تو شر اچھا تو ہے

شر اگر اچھا نہیں لگتا تو کیا
خیر سے خیرالبشر اچھا تو ہے

اب تو زر ہی ہر جگہ آتا ہے کام
کچھ نہ ہو بس زر ہی زر اچھا تو ہے

آنے والی نسل کی تعمیر میں
جو پسر تھا وہ پدر اچھا تو ہے
آپ کی نظروں میں باقرؔ ہو بُرا
اُس کی نظروں میں مگر اچھا تو ہے

O

تم اچھے مسیحا ہو اُس وقت تو آجاتے
بیمار کے سر کو جب زانو کی ضرورت تھی

O

دُور جو صحبتِ بتاں سے رہے
زندگی بھر وہ رائیگاں سے رہے

دُشمنوں نے ہمارا ساتھ دیا
جب عنایاتِ دوستاں سے رہے

روشنی تھی وجود میں جن کے
وہ اندھیروں میں ضوفشاں سے رہے

ساتھ تھے تم تو تھا جہاں اپنا
تم سے ہم کیا رہے جہاں سے رہے

تم سے چھوٹے تو کیا نہیں چھوٹا
کیا کہیں ہم کہاں کہاں سے رہے

اجنبی راستوں پہ چل نکلے
راہرو راہِ رفتگاں سے رہے

شاد دل پھول کی طرح مہکے
جو سلگتے رہے دھواں سے رہے

پھر کوئی اُن کا ساتھ کیا دیتا
جو عنایاتِ مہ وشاں سے رہے
اپنا شہر اپنا گھر جو چھوڑ گئے
ہر جگہ پھر وہ بے نشاں سے رہے
ہم وہی بد نصیب لوگ ہیں جو
راہ میں اپنے کارواں سے رہے
یہ ہماری سرشت تھی باقر
عہدِ پیری میں بھی جواں سے رہے

O

ہم یہ سمجھے تھے بھول بیٹھے ہیں
پھر ستانے لگا خیال ترا

O

جب تلک مہ وشوں کی یہ دھرتی رہے
تیری محفل اسی طرح سجتی رہے
تیرا گھر بار تیری گرہستی رہے
ہر گھڑی ہر جگہ نیک بختی رہے
تیری ہستی رہے تیری بستی رہے
مے پرستی رہے بُت پرستی رہے
اس چمن کی ہری پتی پتی رہے
تو بھی بالوں کی طرح لپٹتی رہے
شاخِ گُل کی طرح تو لچکتی رہے
تازہ کلیوں کی صورت مہکتی رہے
دھوپ مکھڑے سے تیرے بکھرتی رہے
رات زلفوں سے تیری الجھتی رہے
تیری آنکھوں سے صہبا چھلکتی رہے
تیری نظروں سے مستی اُبلتی رہے

تیرے ماتھے کی بندیا چمکتی رہے
تیرے ہونٹوں کی لالی دہکتی رہے

تیرے مکھڑے سے چُنری سرکتی رہے
دھوپ آنگن میں تیرے اُترتی رہے

تو جو بولے تو سنسار خاموش ہو
بلبلوں کی طرح تو چہکتی رہے

تیری الھڑ سی اس مد بھری چال سے
ساری دھرتی کی چھاتی دھڑکتی رہے

تیری سج دھج سے آنکھوں کو ٹھنڈک ملے
تو ہماری نگاہوں کو ڈستی رہے

ہم اسی طرح ہر روز دیکھیں تجھے
تو اسی طرح بنتی سنورتی رہے

جب بھی تو پاس ہو اور کوئی نہ ہو
دن گذرتا رہے رات کٹتی رہے

تیری زلفوں کی رنگت میں راتیں ڈھلیں
ان گھٹاؤں سے برکھا برستی رہے
تیری زلفیں کھلیں تو ہمیں پر کھلیں
تیرے درشن کو دنیا ترستی رہے
جس طرح ہم تڑپتے ہیں تیرے لیے
تو ہمارے لیے بھی تڑپتی رہے
تیرا جوڑا بندھے تو نکل آئے دن
تیری زلفوں میں راتوں کی مستی رہے
صبح دَم نیند سے اُٹھ کے انگڑائی لے
تیرے جوبن سے چولی مسکتی رہے
بے پیئے بھی اِک عالم رہے کیف کا
تیرے ہر انگ میں جوش و مستی رہے
تیرے رخسار سے سرخ شعلے اُٹھیں
یوں ہی جاری یہ آتش پرستی رہے
تیرے اندام کو ہم جو چھوتے رہیں
آگ پنڈے میں تیرے دہکتی رہے
تو گنہگار کر ہم گنہگار ہوں
بات بنتی رہے یا بگڑتی رہے

O

ما وَمن ہے کہ ہم میں اب بھی ہے
اِک چلن ہے کہ ہم میں اب بھی ہے
قرن گذرے ہیں بھولتا ہی نہیں
کیا وطن ہے کہ ہم میں اب بھی ہے
سر کشی جیسے سَر کا سودا ہو
بانکپن ہے کہ ہم میں اب بھی ہے
ہم بُروں کو بھی اچھا کہتے رہیں
یہ وہ فن ہے کہ ہم میں اب بھی ہے
جس سے ہم بول بولتے ہیں بڑے
وہ دَہن ہے کہ ہم میں اب بھی ہے
ہر نگر ہو محبتوں کا نگر
یہ لگن ہے کہ ہم میں اب بھی ہے
اپنا سورج کبھی تو چمکے گا
اِک کرن ہے کہ ہم میں اب بھی ہے
کچھ نہیں اور پاس باقرؔ کے
اِک سخن ہے کہ ہم میں اب بھی ہے

O

خامشی درمیان ہوگئی ہے
بے زبانی زبان ہوگئی ہے

بے مکانی مکان ہوگئی ہے
دھوپ ہی سائبان ہوگئی ہے

زندگی امتحان ہوگئی ہے
میری بیٹی جوان ہوگئی ہے

جب سے تم مہربان ہوگئے ہو
زندگی مہربان ہوگئی ہے

موت چلتی ہے ساتھ ساتھ ان کے
کیا اجل طالبان ہوگئی ہے

کان کب سے ہیں منتظر کہ سنیں
امن آیا امان ہوگئی ہے

بے بسی کے مظاہرے کے لئے
بے کسی ترجمان ہوگئی ہے

اس میں کیا رہ گیا کسان کا کچھ
فصل پوری لگان ہوگئی ہے

ابھی گھر سے قدم نہیں نکلا
اور سفر کی تکان ہوگئی ہے

کیا خبر صبح سونے والوں کو
مسجدوں میں اذان ہوگئی ہے

نام بھی رفتگاں کا لیتی نہیں
نسل نو بدگمان ہوگئی ہے

جس زمیں کو اُٹھا لیا ہم نے
وہ زمیں آسمان ہوگئی ہے

قابلِ دید ہے غزل کی اُٹھان
کیا یہ لڑکی جوان ہوگئی ہے

O

نظر ملائی تھی جس نے نقاب ہوتے ہوئے
اُسی کو دیکھ لیا آب آب ہوتے ہوئے

میں اُن پہ دیکھ رہا ہوں عذاب ہوتے ہوئے
بھٹک رہے ہیں جو راہِ صواب ہوتے ہوئے

حسین دیکھے بہت ہم رکاب ہوتے ہوئے
مگر اِک عمر لگی دستیاب ہوتے ہوئے

یہ اور بات کہ جُزدان میں چھپا کے رکھی
جوازِ جہل نہیں تھا کتاب ہوتے ہوئے

بُرے جو لوگ ہیں شاید کبھی بدل جائیں
کہ ہم نے دیکھے ہیں اچھے خراب ہوتے ہوئے

وہ بستیاں جہاں ہر روز قتل ہوتے ہیں
وہاں بھی دیکھیں کبھی انقلاب ہوتے ہوئے

عجیب لوگ ہیں تاریکیوں میں ڈوب گئے
طلوعِ مہر و شبِ ماہتاب ہوتے ہوئے

زباں پہ لفظ تو آئے مگر زباں نہ کھلی
خموش بیٹھے رہے ہم جواب ہوتے ہوئے

جو کامیابی پہ اوروں کی خوش نہیں ہوتے
نہ دیکھا اُن کو کبھی کامیاب ہوتے ہوئے

جنھیں رہا ہے بہت دعویٔ سخن دانی
اُنہیں بھی دیکھ لیا لاجواب ہوتے ہوئے

جو خواب دیکھے ہیں باقرؔ حقیقتیں بن جائیں
حقیقتوں کو تو دیکھا ہے خواب ہوتے ہوئے

O

کھول دو زلفوں کو اپنی بادِ باراں کے لئے
کچھ تو امیدیں بندھیں فصلِ بہاراں کے لئے

قدرِ یارانِ وفا جوشِ جوانی میں نہ کی
اب ترستے ہیں پڑے خلوت نشیناں کے لئے

کچھ نظر آتا نہیں بے چہرگی کی دُھند میں
آئینہ چہرے تو ہوں کچھ چشمِ حیراں کے لئے

غنچہ ہائے نو بہ نو کھلتے ہوں شاخِ دل پہ بھی
رنگ و بو تو چاہیے جانِ گلستاں کے لئے

اِک محبت ہی نہیں ہے کاروبارِ زندگی
اور بھی غم ہیں مری فکرِ پریشاں کے لئے

بھیگتے موسم کے جلوے جاگتی راتوں کی یاد
اور کیا درکار ہے عمرِ گریزاں کے لئے

قیس کے دَم سے تھیں سب دشتِ جنوں کی رونقیں
اب کوئی ایسا کہاں کارِ دل و جاں کے لئے

ایک ہی خواہش تھی دیکھیں حُسنِ خوبانِ جہاں
ہم تو سرگرداں نہیں تھے آبِ حیواں کے لئے

اِک مسافر بھولا بھٹکا ہی کوئی آجائے گا
دل کے دروازے کُھلے رکھو ہر امکاں کے لئے

شہر زندہ ہوگیا اُس کی جوانی دیکھ کر
تھے سبھی تیار اس نوخیز طوفاں کے لئے

یہ ہوائے بے تمنائی بھی جل اُٹھے جو ہو
ایک طاقِ آرزو شمعِ فروزاں کے لئے

جس میں سب محبوب ہوں اِک شہر ایسا بھی بسے
کوئی تو بستی ہو دل والوں کے ارماں کے لئے

کوئی شہرِ مہر ہو ایسا جہاں راتیں ہوں دن
کچھ تو ہو باقرؔ ہماری طبعِ جولاں کے لئے

O

ہے رواں خونِ شہیداں دشتِ ارماں کے لئے
اور اب کیا چاہئے رنگِ گلستاں کے لئے

کیا دیا ہے شہرِ قائد کو فقیہہِ شہر نے
خون کی بارش ہے اس شہرِ شہیداں کے لئے

نفرتوں کے شہر میں انسانیت کا ذکر کیا
چاہتیں درکار ہیں تالیفِ انساں کے لئے

اپنے محسن کو بھلانے میں نہیں اپنا جواب
فاتحہ پڑھنی بھی مشکل ہوگئی ماں کے لئے

ایک مدت سے تو یہ کارِ جنوں بھی بند ہے
قیس پھر درکار ہے دشت و بیاباں کے لئے

اُن کی تسکیں کے لئے بھی کچھ تو ساماں چاہئے
جو ترستے ہیں بہت روئے نگاراں کے لئے

لوٹ کر آتا نہیں گذرا زمانہ بھول جاؤ
اپنی یادوں کو رکھو اب طاقِ نسیاں کے لئے

عمر ہی تم نے تو باقر اپنی ساری کاٹ دی
اُس بُتِ بے مہر کے ہونٹوں کی اِک ہاں کے لئے

لذّتِ گفتار

اِک کتابِ غمِ دل بھی سرِ بازار ملی
چلیے ہمراہوں کی رفتار سے رفتار ملی
بات کرنے میں تکلّف رہا جن کو ہم سے
اُن کے ہاتھوں میں ہمیں ''لذتِ گفتار'' ملی

فراتِ سخن

رضائے حق سے ہے توفیقِ التفاتِ سخن
غمِ حسینؑ ہے تہذیبِ کائناتِ سخن
یہ مرثیے ہیں ولائے حسینؑ کا صدقہ
ملی ہے تشنہ لبوں سے مجھے 'فراتِ سخن'

''لذتِ گفتار'' مجموعۂ غزل۔ باقر زیدی

''فراتِ سخن'' مجموعۂ کلام باقر زیدی

حرمتِ حرف

سب کی قسمت نہیں ہے خدمتِ حرف
قابلِ رشک ہے یہ نسبتِ حرف
چھُو رہی ہے حدودِ کون و مکاں
میرے قد سے فزوں ہے قامتِ حرف

○

دل پہ کرتے ہیں دماغوں پہ اثر کرتے ہیں
ہم عجب لوگ ہیں ذہنوں میں سفر کرتے ہیں

○

تذکرہ میرؔ کا غالبؔ کی زباں تک آیا
اعترافِ ہنر اربابِ ہنر کرتے ہیں

قطعہ

تسکینِ اضطراب پہ مائل ملا تو ہے
برسوں کے انتظار کا حاصل ملا تو ہے
شاید اب اپنا عزمِ سفر کامیاب ہو
اِک شخص اعتبار کے قابل ملا تو ہے

باقرؔ زیدی کی تصنیفات

۱۔ لذتِ گفتار	Best Book of the year award By: Urdu International-California U.S.A	1996ء
۲۔ فراتِ سخن (حُسنِ سخن ایوارڈ۔ آثار و افکار اکیڈمی کراچی پاکستان)		2004ء
۳۔ حُرمتِ حرف		2008ء
۴۔ دُرِ دریائے غزل		2010ء
۵۔ نگارخانۂ غزل		2015ء

تالیفات

۱۔ النجم علامہ نجم آفندی مرحوم پر مجلّہ	1976ء
۲۔ ”فیض بھرت پوری معاصرین کی نظر میں“ مجلّہ	1989ء
۳۔ ”بزمِ رثا“ جناب بزمؔ آفندی کے غیر مطبوعہ مرثیے	2010ء
۴۔ ”چراغ بزم کا ہوں“ جناب کوکبؔ آفندی کا مجموعۂ کلام	2010ء
۵۔ ”اِک سلسلہ سخن کا“ کلیمؔ بھرتپوری، فیضؔ بھرتپوری اور جناب جعفرؔ زیدی کا کلام	2010ء

Please visit website at
www.baquerzaidi.com

باقرؔ زیدی کی جدت محض فیشن کے طور پر یا چونکا دینے کیلئے نہیں ہے بلکہ کلاسیکی شاعری کے دائرے میں رہ کر اسے برتتے برتتے انہوں نے اسی میں سے اپنے لئے ایک نیا راستہ نکالا ہے اور نئی حسّیات کو اپنے وسیلۂ اظہار میں بیان کیا ہے۔

پروفیسر حسن سجاد

باقرؔ زیدی نے یہ مجموعہ ایک خاص نظریے اور مہم جوئی کے انداز میں تیار کیا ہے اگر چہ مجموعہ خالصتاً غزل اور اس کے متعلقات سے گفتگو کرتا ہے پھر بھی اس میں دیگر مضامین و موضوعات قلم بند ہو گئے ہیں اور اُن میں ردیف ''غزل'' غزل سے الگ ہو کر ایک استعارہ بن گئی ہے۔

شہابؔ کاظمی

باقرؔ زیدی اپنے جمالیاتی حِس کے اظہار میں بے پناہ قادر ہیں، اسی طرزِ نگارش کو ان کا اسلوب قرار دیا جا سکتا ہے۔

ساجدؔ رضوی

برادرِ بزرگ باقرؔ زیدی صاحب کا مطالعہ بھی وسیع ہے اس لئے ان کی وسعتِ فکر میں الفاظ کی بہتات ہے اس لئے قافیے ان کی وسعتِ فکر میں ہمہ وقت موجود رہتے ہیں اور انہوں نے اسے ردیف کے لحاظ سے خوب برتا ہے۔

نیّرؔ اسعدی

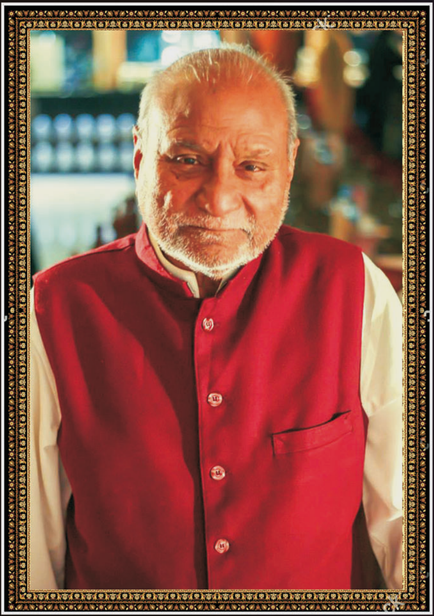

باقر زیدی